تحلیل نفسی کا اجمالی خاکہ

مصنف

سگمنڈ فرائڈ

مترجم

پروفیسر ظفر احمد صدیقی

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

TEHLEL-E-NAFSI KA AJMAALI KHAKA

By : Sigmond Freud

Translated by : Zafar Ahmad Sadiqi

سنہ اشاعت۔ اکتوبر، دسمبر — 1985ء شک 1907

© ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

پہلا اڈیشن، 1000

قیمت : 50/10 روپے

سلسلۂ مطبوعات ترقی اردو بیورو 506

ناشر: ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، محکمۂ تعلیم (حکومت ہند) ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم

نئی دہلی۔ 110066

طابع :- چمن پرنٹرز ساؤتھ انارکلی، دہلی -51

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقاء کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقاء کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کرسکتی ہیں۔ اُردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومتِ ہند کی جانب سے ترقی اُردو بیورو کا قیام عمل میں آیا جسے ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔

ترقی اُردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اُردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کرچکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اُردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھاسکیں۔

زیر نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ اُردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

ڈائرکٹر ترقی اُردو بیورو

دیباچہ

یہ کتاب نہ تحلیل نفسی کی سائنس کا تفصیلی جائزہ پیش کرتی ہے اور نہ اختلافی مسائل کے بارے میں کوئی قطعی و اذعانی فیصلہ صادر کرنا اس کا مقصد ہے۔ اسے فرائڈ کی آخر عمر کی تحریروں میں ایک نمایاں مقام اس بنا پر حاصل ہے کہ یہ اس دور کی غالباً سب سے آخری مکمل تحریر ہے جو ایک مستقل تصنیف کی صورت میں منظر عام پر آئی۔ اسکے علاوہ اس دور کی بیشتر تحریریں مضامین و مقالات کی صورت میں ملتی ہیں۔ فرائڈ نے اس کتاب کو "این آؤٹ لائن آف سائیکو انالیسس" (An out line of Psycho Analysis) کا نام دیا ہے اور اسی سے اسکا مقصد تالیف ظاہر ہے۔ اس نے یہ کام جولائی سنہ ۱۹38ء میں شروع کیا تھا اور اسوقت تک تحلیل نفسی کی سائنس جن نتائج تک پہنچی تھی، یہ کتاب عملاً ان تمام مسائل کا احاطہ کرتی ہے۔

یہ خاکہ سب سے پہلے جرمنی میں (International Zeitscrift for Psycho Analylyse and Image Vol XXII) میں سنہ ۱۹۴۰ء میں شایع ہوا تھا اور اس کی تصنیفات کے سنہ ۱۹۴۰ء کے ایڈیشن کی سترھویں جلد میں بھی شامل ہے اس کا انگریزی ترجمہ بھی سنہ ۱۹۴۰ء ہی میں (International Journal of Psycno Analysis) شایع ہوا تھا جسے بعد میں مترجم جان اسٹریچی (John Strachey)، نے سنہ ۱۹۴۹ء میں ہوگارتھ پریس (Hogarth Press) سے کتابی صورت میں شایع کیا۔ پیش نظر ترجمہ اسی انگریزی ترجمے پر مبنی ہے۔ ترجمے میں عبارت و اسلوب بیان سے زیادہ توجہ فرائڈ کے انداز فکر و طریق استدلال پر مرکوز رہی ہے اردو میں مصطلحات کے ترجمے میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شایع کردہ فرہنگ سے حتی الامکان استفادہ کیا گیا ہے لیکن جہاں متبادل اصطلاحات نہیں مل سکیں وہاں دوسرے الفاظ میں مفہوم کی وضاحت

کی کوشش کی گئی ہے اور جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی اردو الفاظ کے ساتھ انگریزی کی اصطلاحات بھی قوسین میں دے دی گئی ہیں ترجمے میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ اگرچہ یہ کتاب نفسیات کے اعلا مدارج کے طالب علموں کی ضرورت کو بھی پورا کرتی ہے لیکن پیش کش کا انداز ایسا ہو کہ عام طالب علم بھی اس سے استفادہ کر سکے۔

ظفر احمد صدیقی

تعارفی نوٹ

اس مختصر تصنیف کا مقصد تحلیل نفسی کے نظریات کو یکجا کر کے اس طرح بیان کرنا ہے گویا انھیں ایک مسلّمہ عقیدے کی حیثیت حاصل ہے اور یہ پیشکش مختصر ترین ہیئت میں اور قطعی انداز میں کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یقین آفرینی یا اپنے نقطۂ نظر کو منوانا نہیں ہے تحلیل نفسی کی تعلیمات بے شمار مشاہدات و تجربات پر مبنی ہیں اور کوئی شخص جس نے ان مشاہدات و تجربات کو اپنی ذات پر یا دوسروں پر نہیں آزمایا ہے اس حیثیت میں نہیں ہے کہ ان کے بارے میں کوئی آزادانہ رائے قائم کر سکے۔

مؤلف

فہرست

حصہ اوّل

ذہن اور اس کے اعمال

1 نفسی آلہ 9

2 نظریۂ جبلّت 13

3 جنسی عمل کا ارتقا 18

4 ذہنی خصوصیات 24

5 تعبیرِ خواب بطور مثال 33

حصہ دوم

عملی کام

6 تحلیل نفسی کا طریق کار 41

7 نفسیاتی تحلیل کے کام۔ ایک مثال 54

حصہ سوم

نظریاتی ماحصل

8 نفسی آلہ اور خارجی دُنیا 69

9 داخلی دُنیا 81

حصہ اوّل ذہن اور اس کے اعمال

باب ۱

نفسی آلہ

تحلیل نفسی کا آغاز کار ایک بنیادی مفروضے[1] سے ہوتا ہے۔ اس مفروضے سے بحث کرنا تو فلسفے کا کام ہے لیکن اس کا جواز اس کے نتائج میں مضمر ہے۔ ہم اپنے نفس یا حیات ذہنی کے متعلق دو چیزوں سے واقف ہیں۔ پہلی چیز تو اس کا جسمانی عضو دماغ (یا نظام اعصاب) ہے جو اس کا میدان عمل ہے۔ دوسری چیز ہمارے شعوری افعال ہیں جو براہِ راست مطالعے کا مواد ہوتے ہیں کسی اور طرح کے بیان کے ذریعے ان کی مزید تشریح ممکن نہیں۔ ہر وہ چیز جو ان دو حدوں کے درمیان واقع ہوتی ہے ہمارے لیے نامعلوم ہے اور جہاں تک ہماری آگاہی کا تعلق ہے، ان دونوں میں کوئی براہِ راست تعلق بھی نہیں ہے۔ اگر ان میں کوئی تعلق ہوتا بھی تو اس سے ہمیں زیادہ سے زیادہ شعوری اعمال کے صحیح محل وقوع Localization کا پتا چل سکتا تھا لیکن ان کے سمجھنے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔

ہمارے دونوں مفروضے ہمارے علم کی ان دونوں حدوں یا ابتدائی نقطوں سے چلتے ہیں۔ پہلا مفروضہ ذہنی اعمال کے محل وقوع Localization سے تعلق رکھتا ہے یعنی ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ حیات ذہنی ایک ایسے "آلے" کے عمل کا نتیجہ ہے جس کو ہم حدود مکان میں پھیلا ہوا اور مختلف حصوں پر مشتمل مانتے ہیں اور اپنے تصور میں اسے دوربین یا خوردبین یا اسی قسم کی کسی اور چیز کی مانند سمجھتے ہیں ایسی کوششیں پہلے بھی کی جا چکی ہیں لیکن اس تصور کو ہم آہنگی کے ساتھ آگے بڑھانا ایک سائنٹفک جدت ہوگی۔

---

[1] یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس مفروضے کے دو پہلو ہیں اس لیے بعض اوقات مصنف اس ضمن میں دو جداگانہ مفروضوں کا ذکر کرتا ہے مثال کے طور پر اگلے پیراگراف میں یا صفحہ ۱۰۴ پر اور پھر صفحہ ۱۰۶ پر ان کو ایک ہی مفروضے کی حیثیت سے کرتا ہے۔ (مترجم)

اس نفسی آلے کا علم ہمیں انسانوں کی انفرادی نشو و نما کے مطالعے سے حاصل ہوا ہے۔ اس کے اولین عامل کو ہم ذہنی قلمرو کے قدیم ترین حصے یا "اڈ" Id کا نام دیتے ہیں۔ اس میں ہر وہ چیز شامل ہے جو ہمیں وراثت میں ملتی ہے، ہماری پیدائش کے وقت موجود ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری ساخت constitution میں جاگزیں ہوتی ہے۔ گرد و پیش کی خارجی دنیا کے اثر سے اڈ کے ایک حصے کی ایک خاص نہج پر نشو و نما ہوتی ہے۔ اس کو یوں سمجھ لیجیے کہ وہ جبلتیں Instinctions جن کی اصل ہمارے نظام جسمانی میں ہوتی ہے ان کا اولین ذہنی اظہار اڈ میں ایسی صورتوں میں ہوتا ہے جن سے ہم واقف نہیں ہوتے[۱]۔

ہمارے دماغ کی اس بیرونی سطح سے جو اصلاً ایک کارٹیکس جسمی cortical تہہ تھی جو ہیجات stimuli کو قبول کرنے والے اعضا اور حد سے بڑھے ہوئے ہیجات سے حفاظت کرنے والے آلات سے آراستہ تھی، ایک خصوصی تنظیم پیدا ہوئی جو آگے چل کر اڈ اور خارجی دنیا کے درمیان واسطے کا کام دیتی ہے۔ ہماری ذہنی زندگی کے اس حصے کو انا د الیغو یا ego کا نام دیا گیا ہے انا یا ego کے اس تعلق کی بنا پر جو حسی ادراک sensory-perception اور عضلاتی عمل کے درمیان پہلے ہی قائم ہو چکا ہے انا کو ارادی عمل و حرکت پر اختیار حاصل ہوتا ہے تحفظ ذات کا کام بھی انا ہی کے ذمے ہے۔ جہاں تک خارجی واقعات کا تعلق ہے انا یہ وظیفہ اس طرح سر انجام دیتی ہے کہ خارجی ہیجات کا شعور حاصل کرتی ہے ان سے متعلق تجربات کو حافظے میں محفوظ رکھتی ہے حد سے بڑھے ہوئے ہیجات سے فرار کی راہیں اختیار کرتی ہے اور معتدل ہیجات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے آپ کو ان کا عادی بنا لیتی ہے اور ان سب سے بالاتر اپنے عمل کے ذریعے اپنی منفعت کے لیے خارجی دنیا میں مناسب تبدیلیاں پیدا کرنا سیکھ لیتی ہے۔ جہاں تک اڈ سے متعلق اندرونی واقعات کا تعلق ہے وہ اپنا کام اس طرح انجام دیتی ہے کہ وہ جبلتوں کے تقاضوں کے بارے میں اس بات کا فیصلہ کر کے کہ ان کی تسکین کی اجازت دی جائے یا نہیں ان پر قابو حاصل کر لیتی ہے اور کبھی ان کی تسکین کو ایسے وقت اور حالات کے لیے ملتوی کر دیتی ہے جب خارجی دنیا کے حالات سازگار ہوں یا کبھی ان تحریکات کو

---

[۱] ذہنی آلے کا یہ قدیم ترین حصہ زندگی بھر سب سے زیادہ اہمیت کا حامل رہتا ہے اور یہی تحلیل نفسی کی تحقیقات کا اولین موضوع تھا۔

[اس کتاب میں ہر جگہ انگریزی لفظ انسٹنکٹ Instinct کے مترادف کے طور پر جبلت کا لفظ جرمن لفظ ٹریب Trieb کا مفہوم ادا کرنے کیلئے استعمال کیا گیا ہے فرائڈ نے اس لفظ کو جس مفہوم میں استعمال کیا ہے اس کی وضاحت اگلے صفحات میں کر دی گئی ہے]
مترجم

بالکل ہی دبا دیتی ہے، انا کے اعمال اس تناؤ کے لحاظ سے متعین ہوتے ہیں جو اس کے اندر موجود ہیجانات سے یا باہر کے اثرات سے اس میں پیدا ہوتا ہے ۔ اس تناؤ کا بڑھ جانا عام طور سے ناخوشی Un pleasure کا احساس پیدا کرتا ہے اور اس کا گھٹنا خوشی Pleasure کے احساس کا باعث ہوتا ہے۔ یہ بات بہرحال قرین قیاس ہے کہ خوشی اور ناخوشی کا احساس تناؤ کی کسی مطلق کیفیت یا درجے کا نام نہیں بلکہ اس کی تبدیلیوں کے زیر و بم Rhythm سے متعلق کوئی کیفیت ہے انا بہرحال خوشی کی جستجو کرتی ہے اور ناخوشی سے بچنے کی کوشش کرتی ہے ۔

انا ناخوشی میں ایسے اضافے کا مقابلہ جو متوقع ہو اور جس کی پیش بینی کی جا سکے "فکرمندی" Anxiety کے اشارے یا سگنل سے کرتی ہے ۔ وہ موقع جب ناخوشی میں اضافہ متوقع ہو خواہ یہ دھمکی باہر سے آرہی ہو یا اندر سے، خطرہ کہلاتا ہے ۔ وقتاً فوقتاً انا خارجی دنیا سے اپنا رابطہ منقطع کر لیتی ہے اور نیند کی حالت میں پناہ لیتی ہے ۔ اس حالت میں اس کی تنظیم میں دوررس تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ نیند کی حالت کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ تنظیم ذہنی توانائی کی ایک خاص نوع کی تقسیم پر مشتمل ہوتی ہے ۔

بچپن کا طویل عرصہ جب انسانی بچہ اپنے والدین پر انحصار رکھتا ہے اپنے پیچھے ایک تہ نشین اثر Preceptable چھوڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے انا کے اندر ایک خاص قوت عاملہ تشکیل پاتی ہے جس کے اندر والدین کا اثر طویل عرصے تک قائم رہتا ہے ۔ اس قوت کو فوق الانا super-ego کا نام دیا گیا ہے ۔ جس حد تک یہ فوق الانا انا سے ممیز یا اس کی مخالف ہے یہ ایک تیسری قوت کی حیثیت رکھتی ہے جس سے عہدہ برآ ہونا انا کے لیے ضروری ہے ۔ غرض انا کا ہر عمل جو "اڈ" فوق الانا اور حقیقت کے مطالبات کو بیک وقت پورا کر سکتا ہو یا بالفاظ دیگر ان مطالبوں کو باہمدگر ہم آہنگ کرنے میں کامیاب ہو پسندیدہ یا غالب عمل سمجھا جا سکتا ہے ۔ انا اور فوق الانا کے باہمی رشتے کی تفصیلات اس وقت پوری طرح سمجھ میں آسکتی ہیں جب انہیں بچے کے اپنے والدین کے ساتھ رویے کے پس منظر میں رکھ کر دیکھا جائے ۔ یہ بات بدیہی ہے کہ والدین کے بچے پر اثر سے مراد صرف والدین کی شخصیتوں ہی کا اثر نہیں ہے بلکہ اس میں وہ تمام نسلی، قومی، اور خاندانی روایات بھی شامل ہیں جو والدین کی وساطت سے بچے تک پہنچتی ہیں ۔ نیز قریب ترین سماجی ماحول کے مطالبات بھی اس میں شامل ہیں جن کی نمائندگی والدین کرتے ہیں ۔ اسی طرح کسی شخص کا فوق الانا اپنی نشو و نما کے دوران اپنے والدین کے بعد کے جانشینوں اور قائم مقاموں

کے اثرات بھی قبول کرتا ہے۔ مثلاً اساتذہ، پبلک زندگی کی مقبول اور پسندیدہ شخصیتیں یا بلند سماجی نصب العین۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ "اڈ" اور فوق الانا کے درمیان ایک چیز مشترک ہے۔ دونوں ماضی کے اثرات کے نمائندے ہیں۔ "اڈ" وراثت کے اثر کی نمائندگی کرتا ہے اور فوق الانا بنیادی طور پر ان اثرات کی نمائندگی کرتا ہے جو دوسرے لوگوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ان دونوں کے برعکس انا فرد کے اپنے تجربات یا وقتی حادثات یا عہدہ داروں کے واقعات کے زیر اثر تشکیل پاتی ہے۔ آلۂ نفسی کا یہ خاکہ صرف انسان ہی پر صادق نہیں آتا بلکہ اونچے درجے کے ان حیوانات پر بھی اس کا اطلاق کیا جا سکتا ہے جو انسان سے ذہنی مشابہت رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں انسان کی طرح عہد طفولیت میں والدین پر انحصار کا طویل زمانہ پایا جاتا ہے وہاں فوق الانا کا وجود بھی فرض کرنا پڑتا ہے اور انا اور "اڈ" کے درمیان امتیاز کے مفروضے سے ہم کسی صورت بچ نہیں سکتے۔ حیوانی نفسیات نے ابھی تک اس دلچسپ مسئلے کو جس کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے، اپنے ہاتھ میں نہیں لیا ہے۔

باب 2

نظریۂ جبلّت

"اڈ" کی قوت کسی منفرد نامیاتی وجود کے اصل مقصد زندگی کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ مقصد اسکی فطری ضروریات کی تسکین پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایسا کوئی مقصد جیسے اپنے آپ کو زندہ رکھنا یا فکرمندی کے ذریعے خطرات سے اپنی حفاظت کرنا "اڈ" سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ یہ انا کا کام ہے اور انا ہی کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ خارجی دنیا کو پیش نظر رکھ کر اپنی تسکین کے لیے زیادہ سے زیادہ سازگار اور کم سے کم خطرناک طریقے دریافت کرے۔ فوق الانائی ضروریات سامنے لاسکتا ہے لیکن اس کا خاص وظیفہ تسکین کی حد بندی ہی رہتا ہے۔

وہ قوتیں جن کا وجود ہم "اڈ" کی ضروریات سے پیدا ہونے والے تناؤ کے پیچھے فرض کرتے ہیں جبلّتیں کہلاتی ہیں۔ جبلّتیں ہماری ذہنی زندگی پر عائد جسمانی مطالبوں کی نمایندگی کرتی ہیں۔ اگرچہ یہ جبلّتیں عام اعمال کا بنیادی سبب ہیں لیکن یہ فطرتاً قدامت پسند (CONSERVATIVE) ہوتی ہیں۔ وہ حالت جو کسی ذی حیات کو حاصل ہوتی ہے خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے اندر یہ رجحان پیدا کر دیتی ہے کہ وہ اس کے چھوٹ جانے پر اسی حالت کو دوبارہ حاصل کرنے کی فوری کوشش کرے۔ جبلّتوں کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے ان کی ایک غیر معین تعداد فرض کی جا سکتی ہے اور یہی درحقیقت عام روش ہے۔ لیکن ہمارے سامنے یہ اہم سوال آتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم ان تمام متفرق جبلّتوں کو چند بنیادی جبلّتوں سے اخذ کرسکیں۔ ہم نے یہ پایا ہے کہ جبلّتیں منتقلی (DISPLACEMENT) کے ذریعہ اپنا مقصد بدل سکتی ہیں اور ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جبلّتیں اسطرح ایک دوسرے کی جگہ لے سکتی ہیں کہ ایک کی قوت دوسری میں منتقل ہوجائے۔ یہ دوسرا عمل (یعنی ایک جبلّت کی قوت کا دوسری میں منتقل ہوجانا) ابھی تک پوری طرح لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکا ہے۔ طویل شبہات اور تذبذب کے بعد ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ صرف دو بنیادی جبلّتوں جبلّت حیات (EROS) اور جبلّت تخریب کا وجود فرض کیا جائے۔

(تحفظ ذات اور تحفظ نوع کی جبلتوں کا اختلاف اور اپنی ذات سے محبت یا کسی معروض سے محبت کا فرق بھی اسی جبلت حیات (EROS) کے دائرے میں آتے ہیں)۔ ان بنیادی جبلتوں میں اول الذکر کا مقصد پیہم عظیم سے عظیم تر وحدتیں قائم کرنا اور ان کو اسی طرح محفوظ رکھنا ہے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا کام باہم جوڑنا ہے (اتصال پیدا کرنا) ہے اس کے برعکس موخر الذکر جبلت کا مقصد جڑے ہوئے رشتوں کو توڑنا اور تخریب کاری ہے۔ ہم یہ فرض کرسکتے ہیں کہ جبلت تخریب کا آخری مقصد زندہ چیزوں کو غیر نامیاتی INORGANIC حالت پر لوٹانا ہے۔ اسی وجہ سے ہم اس کو "جبلت مرگ" (DEATH INSTINCT) بھی کہتے ہیں۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ جاندار چیزیں بے جان اشیا کے بعد ظاہر ہوئی ہیں اور انہیں سے وجود میں آئی ہیں تو جبلت مرگ ہمارے پہلے بیان کیے ہوئے اس کلیے سے ہم آہنگ ہوجاتی ہے کہ جبلتیں کسی پچھلی حالت کی طرف لوٹنے کا رجحان رکھتی ہیں۔ لیکن ہم اس کلیے کو جبلت حیات یا جبلت محبت (EROS) پر منطبق نہیں کرسکتے۔ اگر ہم ایسا کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذی حیات مادہ کسی زمانے میں ایک وحدت تھا لیکن بعد میں پارہ پارہ ہوکر بکھر گیا اور اب وہ دوبارہ متحد ہوجانے کی جانب مائل ہے[1]۔

حیاتیاتی اعمال میں یہ دونوں بنیادی جبلتیں کبھی ایک دوسرے کے خلاف کام کرتی ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے مل کر بروئے کار آتی ہیں۔ مثال کے طور پر کھانے کے عمل کا مقصد غذا کو مٹا کر بالآخر اس کو جزو بدن بنالینا ہے۔ اسی طرح جنسی عمل ایک جارحانہ عمل ہے جس کا مقصد قریب ترین اتحاد واتصال ہے۔ انہی دو بنیادی جبلتوں کا باہمی عمل اور ایک دوسرے کے خلاف ردعمل زندگی کے تمام گوناگوں مظاہر کو وجود میں لاتا ہے۔ ہماری دو بنیادی جبلتوں کی مثال صرف جاندار چیزوں پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ اسی اصول پر ہم متضاد قوتوں کے متخالف جوڑوں کا بھی قیاس کرسکتے ہیں جیسے کشش ATTARACTION اور اندفاع (REPULSION) کی قوتیں جن کی غیر نامیاتی اشیا کی دنیا میں حکمرانی ہے[2]۔

جبلتوں کی باہمی آمیزش وانضمام کے تناسب میں تبدیلیوں سے بعض قابل توجہ نتائج پیدا ہوتے

---

[1] ایسی ہی کچھ بات ہمیں شاعروں کے تخیلات میں بھی ملتی ہے۔ لیکن ذی حیات مادہ کی تاریخ میں ابھی کسی بات کا سراغ نہیں ملتا۔

[2] جبلتوں اور بنیادی قوتوں کا یہ تصور جو ابھی تک ماہرین تحلیل وتجزیہ کے اختلاف کا مواد بنا ہوا ہے پہلے بھی موجود تھا اور قدیم فلسفی ایمپیڈوکلیس آف آرگاس EMPEDOCLES OF ARGAS بھی اس سے آشنا تھا۔

ہیں جنسی جارحیت کی زیادتی ایک عاشق کو جنسی قاتل میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس جارحانہ عنصر کی نمایاں کمی ایک شخص کو شرمیلا یا جنسی اعتبار سے ناکارہ بنا سکتی ہے۔

ان بنیادی جبلتوں میں سے کسی کو بھی ذہن کے کسی ایک حصے تک محدود کر دینا ممکن نہیں۔ یہ دونوں لازمی طور پر ہر جگہ موجود رہتی ہیں۔ ہم ایک ابتدائی صورت حال کا تصور کر سکتے ہیں اور یہ فرض کر سکتے ہیں کہ ابھی انا اور "اڈ" ایک دوسرے سے ممیز نہیں ہوئے ہیں اور ایروس (EROS) کی تمام دستیاب قوت (جس کو ہم آیندہ سطور میں لبیڈو Libido سے موسوم کریں گے) انا اور "اڈ" کے غیر ممیز مجموعے Id - Ego میں موجود ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تخریبی رجحانات بھی موجود ہیں جن کی تحریکات کو یہ قوت بے اثر بنا رہی ہے (لبیڈو کے مماثل کوئی ایسا لفظ نہیں جو جبلت تخریب کی قوت کے بیان میں کام آ سکے) لبیڈو جن حالات اور تبدیلیوں سے گزرتی ہے ان کا سمجھنا ہمارے لیے نسبتاً آسان پڑتا ہے لیکن جبلت تخریب کے سلسلے میں پیش آنے والی تبدیلیوں کو سمجھنا زیادہ مشکل ہے۔

جب تک جبلت تخریب داخلی طور پر جبلت مرگ کی حیثیت سے عمل کرتی ہے، اس کا عمل خاموش ہوتا ہے لیکن ہم اس سے اس وقت دوچار ہوتے ہیں جب وہ خارجی دنیا کی جانب رُخ کرتی ہے اور تخریبی جبلت ہی کی حیثیت سے عمل کرتی ہے۔ اس جبلت کے رُخ کا بدلنا فرد کے تحفظ و بقا کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے اور اس کا تمام عضلاتی نظام اس مقصد کے لیے کام میں لایا جاتا ہے۔ جب فوق الانا کی تشکیل شروع ہوتی ہے تو جارحانہ تخریبی جبلت کی خاصی مقدار انا میں مرکوز ہو جاتی ہے اور وہاں خود تخریبی کے انداز میں عمل کرتی ہے۔ یہ نسل انسانی کی صحت کے لیے ایک سنگین خطرہ ہے جو اس کو تہذیبی ارتقا کی راہ میں پیش آتا ہے۔ جارحانہ قوت کی روک تھام کرنا عموماً مضر صحت ہوتا ہے اور بیماری پیدا کرتا ہے کسی شخص پر جب شدید غصے کا دورہ پڑتا ہے تو اس کے طرز عمل سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ کس طرح جارحانہ قوت کی روک تھام خود تخریبی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اس شخص کا جارحانہ رجحان خود اپنے خلاف ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے بال نوچتا ہے۔ اپنا منہ ہاتھوں سے پیٹتا ہے اور یہ وہ عمل ہے جو وہ بدرجۂ کسی دوسرے شخص کے ساتھ کرنا چاہتا تھا خود تخریبی کی کچھ مقدار فرد کے اندر ہی مستقل طور پر رہ جاتی ہے جو آخر کار اس کو موت سے ہمکنار کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے لیکن شاید یہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اس کی لبیڈو کی طاقت پوری خرچ نہ ہو گئی ہو یا کسی مضرت رساں راہ

میں مرکوز نہ ہو گئی ہو اس طرح اس سے عام طور پر یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ فرد اپنی اندرونی کشمکشوں کی وجہ سے مرتا ہے لیکن نوع کی ہلاکت خارجی دنیا کے خلاف ناکام جدوجہد کے سبب سے ہوتی ہے جبکہ خارجی دنیا میں ایسی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جن کا مقابلہ مذکورہ نوع اپنی پہلے سے حاصل کی ہوئی مطابقتوں Adaptations کی مدد سے نہیں کر سکتی۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ لبیڈو کا "اِڈ" اور فوق الانا میں کیا طرز عمل ہوتا ہے۔ لبیڈو کے بارے میں ہم جو کچھ بھی جانتے ہیں وہ انا ہی سے متعلق ہے جس میں ابتدا ہی سے لبیڈو کی ساری دستیاب مقدار جمع ہوتی ہے۔ ہم اس حالت کو مطلق اولین خود فریفتگی یا نرگسیت Narcissism کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ صورت حال اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک انا پیش آنے والی اشیا کو لبیڈو کی وابستگی Cathexis[1] کا مرکز بنانا شروع نہیں کرتی۔ یا خود فریفتہ لبیڈو کو خارجی اشیا سے وابستہ لبیڈو میں تبدیل کرنا شروع نہیں کرتی۔ تمام عمر انا لبیڈو کے ایک بڑے خزانے کی طرح رہتی ہے جہاں سے وہ لبیڈو کی وابستگیوں Cathexis کو خارجی اشیا کی جانب بھیجتی رہتی ہے اور اسی خزانے میں ان کو واپس بھی لے لیتی ہے یہ ایسی ہی صورت مثال ہے جیسے کسی مادہ حیات Protoplasm کے نقلی پاؤں 'سوڈوپوڈیا' Pseu-dopodia کی ہوتی ہے۔ لیکن صرف اس صورت میں جب کوئی شخص مکمل طور پر کسی کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے اس کی لبیڈو کی بیشتر مقدار اس محبوب کی جانب منتقل ہو جاتی ہے اور وہ محبوب شخصیت ایک حد تک انا کی جگہ لے لیتی ہے۔ لبیڈو کی ایک خصوصیت جو زندگی میں بہت اہمیت رکھتی ہے اس کا "سیالی پن" یا حرکت پذیری Mobility یعنی آسانی کے ساتھ ایک معروض سے دوسرے کی جانب منتقل ہو جاتا ہے اس کے برعکس لبیڈو میں مخصوص معروضات پر مرکوز ہو جانے یا ترکیز Fixation کی صلاحیت بھی ہوتی ہے جو بسا اوقات زندگی بھر قائم رہتی ہے۔

---

[1] انگریزی الفاظ Cathexis (اسم) اور Cathect (فعل) جرمن الفاظ Besetzung اور Besetzen کا مفہوم ادا کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اردو میں کوئی مترادف اصطلاح موجود نہ ہونے کی بنا پر اس مفہوم کو "لفظ وابستگی" سے ادا کیا گیا ہے۔ فرائڈ اس بات سے نفسی توانائی کے مخصوص ذہنی ساختوں اور اعمال میں جاگزیں ہونے یا وابستہ ہونے کے مفہوم کو واضح کرنا چاہتا ہے۔ یہ کیفیت کسی حد تک برقی چارج کے عمل سے مشابہ قرار دی جا سکتی ہے۔ (مترجم)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لبیڈو کا سرچشمہ جسم ہی کے اندر ہوتا ہے۔ مختلف اعضا یا جسم کے مختلف حصوں سے اس کے دھارے انا میں داخل ہوتے ہیں۔ اس بات کا واضح ثبوت ہمیں لبیڈو کے اس حصے میں ملتا ہے جسے ہم اس کے جبلی مقصد کی بنا پر جنسی تحریک سے موسوم کرتے ہیں۔ جسم کے وہ خاص حصے جن سے جنسی لبیڈو پیدا ہوتی ہے شہوت خیز خطوں ——— Erotogenic zones کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں (اگرچہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ سارا جسم ہی ایک شہوت انگیز خطہ ہے)۔ ایروس کے بارے میں ہم جو کچھ جانتے ہیں اس کا بیشتر حصہ یعنی وہ حصہ جو اس کی نمائندہ قوت لبیڈو سے متعلق ہے جنسی عمل کے مطالعے سے حاصل ہوا ہے جو ہمارے نظریے کی رو سے نہ سہی عام لوگوں کے خیال میں ایروس یا قوت حیات سے مکمل مطابقت رکھتا ہے۔ مذکرہ بالا بیان سے ہم اپنے ذہن میں اس بات کا ایک تصور قائم کر سکتے ہیں کہ جنسی تحریک جس کا ہماری زندگی پر فیصلہ کن اثر ناگزیر ہوتا ہے کس طرح بتدریج نشوونما حاصل کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ متعدد جبلتیں جو اس کی ترکیب میں شامل ہیں اور جو جسم کے خاص خاص شہوت انگیز خطوں کی نمائندگی کرتی ہیں ان کے مسلسل اثرات اس تحریک کی نشوونما میں حصہ لیتے ہیں۔

باب 3

جنسی عمل کا ارتقا

عام نقطۂ نظر کے مطابق انسان کی جنسی زندگی اصلاً اپنے اعضائے تناسل اور صنف مخالف کے کسی فرد کے اعضائے تناسل کے اتصال کی تحریک پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ کچھ اضافی مظاہر اور تمہیدی اعمال مثلاً جسم کے خارجی حصوں کو بوسہ دینا دیکھنا یا چھونا بھی وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ (عام طور پر) فرض کیا جاتا ہے کہ یہ تحریک سن بلوغ یا بالفاظ دیگر جنسی پختگی کی عمر کو پہنچ کر ظاہر ہوتی ہے اور اس کا کام توالد و تناسل کے مقصد کو پورا کرنا ہے۔ بایں ہمہ بعض ایسے حقائق ہمیشہ علم میں رہے ہیں جو اس محدود نقطہ نظر کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہوتے (۱) اولاً۔ یہ حقیقت قابل غور ہے کہ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو صرف اپنے ہم جنس افراد یا ان کے جنسی اعضا میں کشش محسوس کرتے ہیں۔ (۲) ثانیاً یہ حقیقت بھی کچھ کم قابل لحاظ نہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی خواہشوں کا عمل ہر اعتبار سے جنسی خواہشوں کی مانند ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ جنسی اعضا اور ان کے معمول کے مطابق استعمال کو کلیتاً نظر انداز کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جنسی کج رو Perverts کہلاتے ہیں۔ (۳) ثالثاً یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بہت سے بچے اوائل عمر ہی سے اپنے جنسی اعضا میں دلچسپی لیتے ہیں اور ان میں برانگیختگی کے آثار ظاہر کرتے ہیں (اسی وجہ سے ایسے بچوں کو انحطاط زدہ Degenerate کہا جاتا ہے)

اس امر کا بہ آسانی یقین کیا جا سکتا ہے کہ جب تحلیل نفسی نے جنسیت کے بارے میں تمام عام رایوں کی تردید کی تو اسے استعجاب اور انکار کا سامنا کرنا پڑا جس کی بنا انہی تین بنیادی حقائق پر تھی جنہیں نظر انداز کیا گیا تھا۔ اس کے اہم نتائج حسب ذیل ہیں :۔

(۱) جنسی زندگی صرف سن بلوغ سے شروع نہیں ہوتی بلکہ پیدائش کے کچھ ہی عرصے بعد اس کا واضح اظہار شروع ہو جاتا ہے۔

(ب) "جنسی" اور "تناسلی" کے تصورات کے درمیان واضح امتیاز قائم کرنا ضروری ہے۔ پہلا

تصور زیادہ وسیع ہے اور بہت سے ایسے اعمال پر حاوی ہے جن کا اعضائے تناسل سے کوئی تعلق نہیں۔

(ج) جنسی زندگی جسم کے (مختلف) حصوں سے لذت حاصل کرنے پر مشتمل ہے۔ یہ ایسا عمل ہے جو آگے چل کر توالد و تناسل کے عمل میں معاون بن جاتا ہے۔ لیکن اکثر ان دونوں اعمال میں مکمل مطابقت نہیں پیدا ہوتی۔

فطرتاً اصل دلچسپی ان تینوں دعوؤں میں پہلے دعوے پر مرکوز ہوتی ہے جو سب سے زیادہ غیر متوقع ہے یہ پایا گیا ہے کہ بچپن کے ابتدائی دور میں جسمانی اعمال کی ایسی علامتیں ملتی ہیں جن کو جنسی اعمال کا نام دینے سے انکار صرف دیرینہ تعصبات کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے۔ یہ علامتیں ان ذہنی مظاہر سے متعلق ہوتی ہیں جو سن بلوغ کی محبت میں ہمارے سامنے آتے ہیں جیسے کسی ایک مفروض کے ساتھ وابستگی رشک اور ایسے ہی دوسرے رجحانات۔ علاوہ بریں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ یہ مظاہر جو بچپن کے آغاز میں رونما ہوتے ہیں۔ نشوونما کے ایک باقاعدہ عمل کا حصہ ہوتے ہیں ان میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے اور عمر کے پانچویں سال کے اختتام کے قریب یہ اپنے نقطۂ عروج تک پہنچتے ہیں جس کے بعد ان پر ایک خواب کا سا سکون طاری ہو جاتا ہے۔ اس سکون کے دور میں ان کی ترقی کی رفتار ٹھہر جاتی ہے اور بہت سی سیکھی ہوئی چیزیں فراموش ہو جاتی ہیں اور بہت سی باتوں کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ اس عہد کے اختتام کے بعد جس کو خوابیدگی latency کا زمانہ کہا جاتا ہے جنسی زندگی سن بلوغ پر دوبارہ شروع ہوتی ہے اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب یہ دوبارہ پھلتی پھولتی ہے۔ یہاں ہمیں اس حقیقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ جنسی زندگی کا حملہ دو مختلف ادوار میں ہوتا ہے اور دو لہروں کی صورت میں واقع ہوتا ہے یہ صورت حال انسان کے علاوہ کسی اور نوع کے بارے میں علم میں نہیں آتی اور بظاہر اس سے انسانی زندگی کے آغاز پر اہم روشنی پڑتی ہے[1]۔ یہ کوئی غیر اہم بات نہیں ہے کہ چند مستثنیات سے قطع نظر

---

[1] حوالے کے لیے اس مفروضے پر نظر ڈالیے کہ انسان کسی ایسے دودھ پلانے والے حیوان کی نسل سے ہے جو پانچ سال کی عمر میں جنسی پختگی حاصل کر لیتا تھا لیکن نوعِ انسان پر کوئی ایسا خارجی اثر بروئے کار آیا جو جنسیت کے براہ راست نشوونما کی راہ میں حائل ہو گیا ممکن ہے اس کا تعلق حیوانوں کی جنسی زندگی کے مقابلے میں انسان کی جنسی زندگی کی بعض دوسری تبدیلیوں سے بھی ہو جیسے لبیڈو کے معین وقفوں کا دب جانا یا دونوں جنسوں کے تعلق میں ایام ماہواری کا جو حصہ ہے اس سے کام لیا جانا۔

جنسیت کے ابتدائی دَور کے واقعات طفلانہ فراموش کاری Childish Amnesia کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اعصابی اختلال کی علّیت Aetiology اور تحلیلی معالجات کے طریق کار کے بارے میں ہماری فہم انہی نظریات سے ماخوذ ہے۔ زندگی کے اس ابتدائی دَور میں نشوونما کے عمل کا مطالعہ بعض دوسرے نتائج کی تائید میں بھی شہادت فراہم کرتا ہے۔ انسانی جسم کا پہلا عضو جو شہوت انگیز خطے کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے اور پیدائش کے فوراً بعد سے ذہن سے لبیڈو سے متعلق مطالبات کرتا ہے وہ "دَہن" ہے۔ اور ابتدا ہی سے عام ذہنی اعمال اسی خطے کی احتیاجوں تسکین کے کام پر مرکوز ہوتے ہیں ابتدا میں یہ خطہ یقیناً غذا کے ذریعے تحفظ ذات کا مقصد بھی پورا کرتا ہے لیکن ہمیں عضویات Physiology اور نفسیات کے درمیان غلط ملط بحث نہیں کرنا چاہیے بچے کا بضد ہو کر چوسنے پر اصرار ابتدائی منزل پر تسکین کی ایک ضرورت کی شہادت دیتا ہے جو اس ضرورت کی اصل غذا کے حصول کی خواہش ہوتی ہے اور اسی سے اسے تحریک ملتی ہے تاہم وہ حصول غذا کے مقصد سے آزادانہ طور پر بھی حصول لذت کی طلبگار ہوتی ہے اور اسی بنا پر اسے بجا طور پر جنسی کہا جا سکتا ہے۔ اس دہانی (ORAL) دَور میں دانتوں کے نکلنے کے ساتھ ہی سادیت پسندانہ (SADISTIC) داعئے بھی کاٹنے کا ہے ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان داعیات کی حدود دوسرے دَور میں اور زیادہ وسیع ہو جاتی ہیں جسے ہم مقعدی سادیت کے دَور (Sadistic Anal Phase) سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ اب تسکین کے حصول کی کوشش جارحیت اور بول و براز کے عمل کے ذریعے کی جاتی ہے۔ ہم لبیڈو میں جارحانہ تحریکات کے شمول کا جواز ثابت کرنے کے لیے یہ فرض کرتے ہیں کہ سادیت خالص لبیڈو کی تحریکات اور خالص تخریبی تحریکات کا ایک جبلّی امتزاج ہے ۔ ایک ایسا امتزاج جو آگے چل کر کسی رکاوٹ کے بغیر برقرار رہتا ہے[1]۔

تیسرا دَور وہ ہے جسے "ذکری دَور" Phallic Phase کہا جاتا ہے جو ایک طرح سے جنسی زندگی کے آخری دَور کا پیشرو ہوتا ہے اور ابتدا ہی سے اس سے بڑی حد تک مشابہ ہوتا ہے۔

---

[1] یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا خالصتاً تخریبی جبلّی تحریکات کی تسکین کو لذت کے طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے یا خالص تخریب پسندی لبیڈو کے کسی جزو کے شمول کے بغیر واقع ہو سکتی ہے۔ انا میں جبلت مرگ کا جو جزو باقی رہ جاتا ہے اس کی تسکین بظاہر لذت کا احساس پیدا نہیں کرتی۔ اگرچہ اذیت جوئی یا ساکیت Masochism ایک ایسا امتزاج پیش کرتا ہے جو سادیت سے مماثل ہے۔

یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ اس منزل پر جو چیز توجہ کا مرکز بنتی ہے وہ دونوں جنسوں کے اعضائے تناسل نہیں بلکہ صرف مرد کا عضوِ تناسل Phallus ہوتا ہے۔ نسوانی اعضائے تناسل ایک عرصے تک نامعلوم رہتے ہیں۔ جنسی اعمال کو سمجھنے کی کوشش میں بچہ اخراجِ فضلات کی نالیوں کے قدیم العہد نظریے cloacal theory کو تسلیم کر لیتا ہے جس کی تائید عملِ تولید سے بھی ہوتی ہے۔[1]

ذکری دور کے ساتھ اور اس کے دوران اوائلِ طفولیت کی جنسیت اپنی انتہا تک پہنچ جاتی ہے اور اپنے زوال سے قریب آ جاتی ہے۔ اس کے بعد سے لڑکوں اور لڑکیوں کی جنسی روداد مختلف ہو جاتی ہے ابتدا میں دونوں اپنے ذہنی اعمال کو جنسی تحقیق و تفتیش کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ دونوں اپنی تفتیش کا آغاز ذکر کی ہر دو صنف میں عام موجودگی کے مفروضے سے کرتے ہیں لیکن اب دونوں جنسوں کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ لڑکا ایڈیپس دور Oedipus Phase میں داخل ہوتا ہے اور اپنے عضوِ تناسل سے شغل کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے ذریعے اپنی ماں کے ساتھ کسی قسم کی کارروائی کرنے کا تصور باندھنے لگتا ہے لیکن آخر کار قطع عضوِ تناسل Castration کے خوف اور عورتوں کو ذکر سے محرومی کے نظارے کی بدولت وہ اپنی زندگی کے شدید ترین ذہنی صدمے سے دوچار ہوتا ہے اور یہی جنسی تحریک کی خوابیدگی اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج کا آغاز ہوتا ہے۔ لڑکی لڑکوں کی طرح عمل کرنے کی ناکام کوشش کے بعد اپنی ذکر سے محرومی کو یا اپنے بیرونی عضوِ تناسل clitoris کی کم تر حیثیت کو تسلیم کر لیتی ہے جس کا اس کے کردار کی نشو و نما پر پائدار اثر ہوتا ہے اور حریفانہ مقابلے میں پہلی بار مایوس ہو کر اکثر جنسی زندگی سے کلیتاً روگرداں ہو جاتی ہے۔

یہ فرض کرنا غلط ہوگا کہ یہ تینوں دور یکے بعد دیگرے ایک واضح تسلسل کے ساتھ آتے ہیں ایک دور کے ساتھ ہی اضافی طور پر دوسرے دور کے آثار بھی ظاہر ہو سکتے ہیں۔ یہ دور ایک دوسرے کے ساتھ جزوی طور پر منطبق بھی ہو سکتے ہیں اور ایک ہی وقت میں موجود بھی ہو سکتے ہیں۔

---

[1] مؤخر الذکر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اوائل عمر میں نسوانی اعضائے جنسیہ میں بھی برانگیختگی پیدا ہوتی ہے لیکن غالباً یہ صرف نسوانی جنسی اعضا کے بیرونی حصے (clitoris) میں یعنی ایسے عضو میں پیدا ہوتی ہے جو ذکر سے مماثل ہوتا ہے اس لیے یہ بات ہمیں اس دور کو ذکری دور Phallic کا نام دینے سے مانع نہیں ہو سکتی۔

ابتدائی ادوار میں ان میں شامل جداگانہ جبلتیں اپنی جستجوئے لذت میں ایک دوسرے سے آزاد رہ کر مصروفِ کار ہوتی ہیں۔ ذکری دَور میں ایک ایسی تنظیم کے اولین آثار ملتے ہیں جو اعضائے تناسل کی اولیت کے مقابلے میں دوسرے رجحانات کو ایک ماتحت حیثیت دے دیتی ہے۔ جستجوئے لذت کی عام کوششوں کو منضبط کرتی ہے اور انہیں جنسی عمل کے ساتھ مربوط کرنے کے آغاز کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہ مکمل تنظیم سن بلوغ سے پہلے حاصل نہیں ہوتی جب یہ چوتھے دَور یعنی تولید و تناسل کے دَو Genital Phaar میں داخل ہوتی ہے۔ اس وقت ایک ایسی صورت حال وجود میں آتی ہے جس میں پہلی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ لبیڈو کی ابتدائی وابستگیاں برقرار رہتی ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جنسی عمل میں دوسرے اعمال بھی تمہیدی یا معاون اعمال کی حیثیت سے شامل ہو جاتے ہیں جن کی تسکین سے وہ لذت حاصل ہوتی ہے جسے لذت ماقبل Fore-Pleasure کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور تیسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ دوسرے رجحانات اس تنظیم سے خارج ہو جاتے ہیں اور انہیں یا تو احتباس ــــــــ Repression کے ذریعے بالکل دبا دیا جاتا ہے یا انہیں انا میں کسی دوسرے طریقے سے کام میں لایا جاتا ہے اور وہ کردار کی خصوصیات Charactor thaets بن جاتے ہیں یا اپنے مقاصد کی تبدیلی Displacement کے ساتھ ارتفاع کے عمل سے دوچار ہوتے ہیں۔ یہ عمل ہمیشہ مکمل طور پر حاوی نہیں رہتا۔ اس کے نشوونما کے دوران بندشیں Inhibitions رونما ہوتی ہیں جو جنسی زندگی میں طرح طرح سے خلل انداز ہوتی ہیں۔ اس حالت میں ابتدائی ادوار کے ساتھ لبیڈو کی ترکیز Fixation کے آثار بھی پائے جاتے ہیں جن کا میلان نارمل جنسی مقاصد سے آزاد عمل کی جانب ہوتا ہے اور کج روی Perversion سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے نشوونما میں بندش (INHIBITION) کی ایک مثال ہم جنسیت Homo sexuality ہے اگر وہ نمایاں ہو تحلیل نفسی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی ہر مثال میں کسی نہ کسی دَور میں کسی معروض کی جانب ہم جنسی میلان موجود رہا ہے اور اکثر صورتوں میں یہ میلان خوابیدہ حالت میں برقرار رہتا ہے یہ صورتِ حال اس وجہ سے اور پیچیدہ ہو جاتی ہے کہ نارمل نتائج برآمد کرنے کے لیے جو اعمال ضروری ہوتے ہیں نہ مکمل طور پر موجود ہوتے ہیں اور نہ سرے سے غائب ہوتے ہیں۔ یہ عموماً جزوی طور پر موجود ہوتے ہیں چنانچہ آخری نتیجہ ان عناصر کے مقداری تناسب Quantitative Relations پر

منحصر رہتا ہے۔ اس طرح تناسلی Genital تنظیم تو حاصل ہو جاتی ہے لیکن لبیڈو کے ان حصوں کے تعلق کی بنا پر کمزور رہتی ہے جو اس کی حد تک ترقی نہیں پا سکے ہیں بلکہ قبل تناسلی Pregenital دَور کے معروضات اور مقاصد پر مرکوز رہے ہیں۔ اگر تناسلی Genital تسکین حاصل نہ ہو سکے یا حقیقی دنیا میں مشکلات درپیش ہوں تو یہ کمزوری لبیڈو کے اس رجحان کی صورت میں رونما ہوتی ہے کہ وہ اپنی قبل تناسلی Pregenital ترکیزات Fixations کی طرف لوٹ جانا چاہتی ہے یعنی رجعت Regression پر مائل ہوتی ہے۔

جنسی اعمال کے مطالعے کے دوران ہم دو حقیقتوں کا ابتدائی یقین یا کم از کم احتمال حاصل کر سکے ہیں۔ یہ حقیقتیں آگے چل کر ہمارے مطالعے کے سارے میدان میں بہت زیادہ اہم ثابت ہوں گی۔ اولاً یہ کہ وہ نارمل یا ابنارمل مظاہر جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں (یعنی ہمارے موضوع مطالعے کی مظہریات) Phenomenology ان کے تفصیلی بیان کے لیے حرکیات —— Dynamics اور معاشیات Economics دونوں کے نقطۂ نظر کی ضرورت ہے (یعنی بالفاظ دیگر اس سلسلے میں لبیڈو کی مقداری تقسیم کے نقطۂ نظر سے کام لینا ضروری ہوگا۔ ثانیاً جن اختلالی کیفیتوں کا ہم مطالعہ کرتے ہیں ان کی علّیت Aetiology کا سراغ ہمیں فرد کی نشو و نما کی تاریخ میں یعنی اس کی زندگی کے ابتدائی دَور میں مل سکتا ہے۔

باب 4

ذہنی خصوصیات

گزشتہ صفحات میں ہم نے نفسی آلے کی ساخت اور ان قوتوں اور توانائیوں کی تفصیل بیان کی ہے اور ایک نمایاں مثال کی مدد سے ان طریقوں اور اس طریق کار کی جستجو کی ہے جس کے ذریعے یہ قوتیں بالخصوص لبیڈوا اپنی تنظیم کر کے ایک جسمانی عمل میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ عمل بقائے نوع کے مقصد کو پورا کرتا ہے۔ اس تمام بیان میں اس امر کی کوئی توضیح نہ تھی کہ جس چیز کو ذہنی Mental کہا جاتا ہے اس کی امتیازی خصوصیت کیا ہے بجز اس تجربی Empirical حقیقت کے کہ یہ آلہ اور یہ توانائیاں ان اعمال کی بنیاد ہیں جن کو ہم اپنی ذہنی زندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب ہم ایک ایسی چیز کی طرف توجہ کریں گے جو امور ذہنی کی ایک منفرد خصوصیت ہے اور جو ایک وسیع حلقے کی رائے کے مطابق ذہنی کیفیات کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے اور وہ چیز جو ذہنی نہیں ہے اس کے دائرے سے خارج ہے۔

اس تحقیق کے لیے نقطہ آغاز ایک ایسا امر واقعہ فراہم کرتا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے اور جو تشریح و بیان سے بالاتر ہے۔ یہ امر واقعہ "شعور" Consciousness ہے۔ تاہم اگر کوئی شعور کے بارے میں بات کرتا ہے تو ہم اپنے انتہائی ذاتی تجربے کی بنا پر سمجھ جاتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ بہت سے لوگ جو علم نفسیات سے گہری واقفیت رکھتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو اس سے تعلق نہیں رکھتے اس مفروضے سے مطمئن ہیں کہ صرف شعور ہی ذہنی حیثیت رکھتا ہے اور نفسیات کا اس کے سوا اور کوئی کام نہیں رہ جاتا کہ وہ ذہن کی مظاہریت Phenomenology میں ادراک Perception احساسات Feelings

---

ط بعض انتہا پسندانہ نقطہ ہائے نظر مثلاً کرداریت Behaviourism کا امریکی نظریہ اس امر کو ممکن قرار دیتے ہیں کہ ایک ایسے علم النفس کی تشکیل کی جا سکتی ہے جو اس بنیادی حقیقت (ذہنی عمل) کو نظر انداز کرتا ہو۔

تعقلی اعمال Intellective Processes اور ارادوں Volitions میں امتیازات قائم کرے۔ تاہم اس بات پر عام اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ یہ شعوری اعمال ایک ایسے غیر منقطع سلسلے کی صورت میں نہیں پائے جاتے جو مکمل بالذات ہو۔ اس لیئے اسکے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ یہ فرض کیا جائے کہ کچھ مادی یا جسمی کیفیات ایسی ہیں جو ذہنی اعمال کے ساتھ ساتھ واقع ہوتی ہیں۔ ان مادی یا جسمی اعمال کو مسلمہ طور پر ذہنی سلسلہ ہائے اعمال کے مقابلے میں زیادہ مکمل ہونا چاہیے اس لیے کہ ان میں سے بعض تو اپنے متوازی شعوری کیفیات رکھتے ہیں اور بعض نہیں رکھتے اس لیے یہ بات بالکل فطری معلوم ہوتی ہے کہ نفسیات میں ان جسمی اعمال پر زور دیا جائے۔ جو کچھ ذہنی ہے اس کی اصل ان اعمال میں دیکھی جائے اور اس بات کی کوشش کی جائے کہ شعوری اعمال کے بارے میں اندازے یا ان کی تفسیر و تعبیر نئے انداز سے ہو۔ لیکن فلاسفہ کی اکثریت اور بہت سے دوسرے لوگ اس نقطہ نظر کی مخالفت کرتے ہیں اور یہ دعوا کرتے ہیں کہ یہ خیال کہ کوئی ذہنی شے لاشعوری بھی ہوسکتی ہے ایک اندرونی تضاد کا حامل ہے۔

لیکن تحلیل نفسی بعینہٖ یہی دعوا پیش کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتی ہے اور یہ اس کا دوسرا بنیادی مفروضہ ہے۔ تحلیل نفسی مفروضہ معاون جسمی اعمال کو اصلاً ذہنی ملنتے ہوئے ان کی تشریح کرتی ہے اور وقتی طور پر شعوری خصوصیت کو نظرانداز کردیتی ہے۔ اس رائے میں وہ تنہا نہیں ہے۔ بہت سے مفکرین (مثلاً تھیوڈور لپس) Theodhe lipps نے یہی دعوا انہی الفاظ کے ساتھ پیش کیا ہے اور ذہن کی حقیقت کے بارے میں مروجہ نقطہ نظر سے عام بے اطمینانی کا نتیجہ یہ ہے کہ اب یہ مطالبہ روز بروز شدید تر ہوتا جارہا ہے کہ نفسیاتی فکر میں تصور لاشعور کو داخل کرنا چاہیے۔ لیکن یہ مطالبہ کچھ ایسا مبہم اور غیر متعین رہا ہے کہ اس کا سائنس پر کوئی اثر نہیں پڑسکا۔

اب بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تحلیل نفسی اور فلسفے کے درمیان یہ اختلاف محض ایک لفظ کی تعریف کے غیر اہم مسئلے سے متعلق تھا۔ یعنی اس سوال کے بارے میں کہ لفظ ذہنی کا اطلاق مظاہر کے سلسلے کی ایک قسم پر کیا جائے یا دوسری قسم پر۔ لیکن حقیقت میں یہ قدم زبردست اہمیت کا حامل ثابت ہوا ہے۔ ایک طرف نفسیات شعور اس منقطع سلسلہ واقعات سے آگے نہیں بڑھی جو ظاہری طور پر کسی دوسری چیز پر منحصر تھا دوسری جانب اس دوسرے نقطہ نظر

نے کہ جو کچھ ذہنی ہے وہ بذات خود لاشعوری ہے، نفسیات کو اس قابل بنا دیا کہ ایک نیچرل سائنس کی حیثیت سے دوسری سائنسوں کے برابر جگہ پا سکے وہ اعمال جن سے نفسیات بحث کرتی ہے اسی طرح بذات خود نا قابل علم ہیں جس طرح وہ اعمال جن سے دوسرے علوم مثلاً طبعیات Physics اور کیمیا Chemistry واسطہ رکھتے ہیں لیکن یہ اعمال جن قوانین کے تابع ہیں ان کا تعین اور ان اعمال کے طویل اور غیر منقطع سلسلوں کے باہمی تعلق اور ایک دوسرے پر انحصار کا سراغ لگانا ممکن ہے۔ مختصر یہ ہے کہ زیر بحث فطری مظاہر اور واقعات کے دائرے کے بارے میں فہم سے جو ہماری مراد ہوتی ہے وہ ہم نفسیات کے دائرے میں بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں ہوتی جب تک نئے مفروضے وضع نہ کئے جائیں اور نئے تصورات کی تخلیق نہ کی جائے لیکن اس بات کو ہمارے عجز کا اظہار سمجھ کر حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا چاہیے بلکہ سائنس میں اضافہ کرنے کی بنا پر قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ ہم ان مفروضوں اور تصورات کے لیے صداقت کے قریبی اندازوں کی حیثیت سے اسی قدر و قیمت کا مطالبہ کر سکتے ہیں جو اس کے متوازی دوسرے علوم کے معاون تصورات کو حاصل ہے۔ ہم اس امر کی توقع رکھتے ہیں کہ آگے چل کر تجربے میں اضافے اور اس کی مزید چھان بین کے ساتھ ساتھ ان مفروضوں کی ترمیم تصحیح اور واضح تر تعین ہوتی جائے گی لہذا یہ بات بھی ہماری توقع کے عین مطابق ہوگی اگر اس نئی سائنس کے بنیادی تصورات اور اصول (مثلاً جبلت۔ اعصابی توانائی وغیرہ) کافی عرصے تک دوسرے نسبتاً پرانے علوم کے تصورات (قوت، مادہ، کشش وغیرہ) کی طرح مبہم اور غیر متعین رہیں۔

ہر سائنس ان مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہوتی ہے جو ہمارے آلہ نفس کے ذریعے حاصل کئے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ ہماری سائنس کا موضوع مطالعہ خود وہی نفسی آلہ ہے اس لیے دوسری سائنسوں سے اس کی مماثلت یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ ہم اپنے ادراکی مشاہدات اسی ادراکی آلے کی وساطت سے حاصل کرتے ہیں۔ صراحتاً یہ عمل شعوری ذہنی واقعات کے سلسلے میں وقفوں کی مدد سے واقع ہوتا ہے کیونکہ ہم ان کے چھوٹے ہوئے حصوں کو قرین قیاس استنباط سے پرکھ کے شعوری مواد میں ان کا ترجمہ کرتے ہیں۔ گویا اس طرح ہم شعوری واقعات کا ایک سلسلہ تعمیر کرتے ہیں جو لاشعوری ذہنی اعمال کا تکملہ کرتا ہے۔ ہماری ذہنی سائنس کی اضافی یقینیت اس بات پر منحصر ہے کہ اس کے نتائج کہاں تک شعور کی کڑیوں کو ملانے اور جوڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کوئی بھی شخص جو معنوں کی گہرائیوں میں جائے گا یہ پائے گا کہ ہمارا طریقہ کار ہر تنقید کا

مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ہمارے کام کے دوران وہ امتیازات جن کو ہم ذہنی خصوصیات سے تعبیر کرتے ہیں ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم اپنی توجہ ان پر مرکوز کریں۔ جس چیز کو ہم شعوری کہتے ہیں اس کی تعریف کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس میں اور شعور کے اس مفہوم میں جو فلسفیوں کے نزدیک یا عام بول چال میں پایا جاتا ہے کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہر وہ چیز جو ذہنی ہے ہمارے نزدیک "لاشعور" ہے۔ اب اس کے فوراً بعد اس لاشعور کی ایک اہم تقسیم کی طرف ہماری راہنمائی ہوتی ہے۔ کچھ اعمال آسانی سے شعوری بن جاتے ہیں۔ اس کے بعد ممکن ہے وہ شعوری نہ رہیں لیکن پھر دوبارہ بغیر کسی دشواری کے شعوری بن سکتے ہیں۔ یا عام لوگوں کی گفتگو کے مطابق ان کو یاد کرنا یا ان کا اعادہ ممکن ہے۔ یہ امر ہمیں اس بات کی یاد دلاتا ہے کہ شعور ایک انتہائی گریز پا حالت ہے۔ ہر چیز جو شعوری ہے وہ صرف ایک لمحے کے لیے شعوری ہوتی ہے اگر ہمارے ادراکات اس کی تصدیق نہیں کرتے تو یہ تضاد محض ظاہری ہے۔ اس کی تشریح یوں کی جا سکتی ہے کہ ادراک کے ہیجات stimuli صرف کچھ وقت تک برقرار رہتے ہیں جس کی وجہ سے اس عرصے میں ان کے ادراک کی تکرار عمل میں آسکتی ہے۔ ہمارے تعقلی اعمال کے شعوری ادراک سے تمام صورت حال کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ان ہیجانات کا کچھ دیر تک قیام ممکن ہے لیکن وہ اتنی ہی آسانی سے دفعتاً برقی سرعت کے ساتھ گزر بھی سکتے ہیں۔ لہٰذا ہر وہ لاشعوری چیز جو اس طرح کا رویہ رکھتی ہے جو آسانی کے ساتھ لاشعوری حالت کو شعوری حالت سے بدل سکتی ہے اس کو قابل دخل شعور یا ماقبل شعور ——— Preconscious کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ تجربے نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ شاید ہی کوئی پیچیدہ سے پیچیدہ ذہنی عمل ایسا ہو جو بعض مواقع پر قبل شعور کی حالت میں نہ رہتا ہو خواہ ایسے اعمال بالعموم شعور میں آنے کے لیے زور لگاتے رہتے ہوں۔ لیکن کچھ اور ذہنی اعمال یا ذہنی مواد ایسے ہوتے ہیں جن کی رسائی شعور میں اتنی آسانی سے نہیں ہوتی لیکن ان کا استنباط ان کی دریافت اور شعوری شکل میں ان کا ترجمہ اس انداز سے کرنا جس کا بیان ہم کر چکے ہیں ضروری ہوتا ہے۔ اس قسم کے مواد کے لیے ہم نے اصل لاشعور کا نام تجویز کیا ہے۔

اس طرح ہم نے ذہنی اعمال کے ساتھ تین صفتیں منسوب کی ہیں۔ وہ یا تو شعوری ہوتے ہیں یا قبل شعوری یا لاشعوری۔ ان ذہنی موادوں کی تقسیم، جو یہ صفتیں رکھتے ہیں، قطعی نہیں ہے

قبل شعوری مواد جیسا ہم دیکھ چکے ہیں بغیر ہماری کسی کوشش کے شعوری بن جاتا ہے۔ جو کچھ لاشعوری ہے ہماری کوششوں کے نتیجے کے طور پر شعوری بنایا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس عمل میں اکثر اوقات ہمیں یہ احساس ہو سکتا ہے کہ ہم شدید مزاحمتوں پر قابو پا رہے ہیں۔ جب ہم کسی دوسرے شخص کے سلسلے میں اسی قسم کی کوشش کر رہے ہوں تو ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اس کے ادراکات کے خلاؤں کو شعوری مواد سے پُر کرنے یا اس کے ذہنی اعمال کی تشکیل کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ابھی ہم نے اس کے اندر زیر بحث لاشعوری مواد کو شعوری بنا دیا ہے۔ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ یہ مواد اس کے ذہن میں دو ہیئتوں میں موجود ہے اول تو اس شعوری تشکیل نو کی صورت میں جو اس نے ابھی ہم سے حاصل کی ہے اور دوسرے اپنی اصل لاشعوری حالت میں۔ مسلسل کوششوں سے ہم عموماً اس بات میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ یہ لاشعوری مواد بھی اس کے لیے شعوری بن جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب اس مواد کی دونوں شکلوں میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔ جتنی کوشش اس کام کے لیے درکار ہوتی ہے جس سے ہم اس مزاحمت کا اندازہ کرتے ہیں جو لاشعوری مواد کو شعوری بننے میں پیش آتی ہے اس کی مقدار ہر فرد کے معاملے میں مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر تحلیلی علاج میں ہماری کوششوں سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ خود بخود بھی واقع ہو سکتے ہیں۔ وہ مواد جو معمولاً لاشعوری ہے اپنے آپ کو قبل شعوری میں تبدیل کر سکتا ہے اور اس کے بعد شعوری مواد میں تبدیل ہو سکتا ہے یہ چیز بحو نامہ یا اختلال نفسی کی Psychotic حالتوں میں بڑے پیمانے پر واقع ہوتی ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ کچھ اندرونی مزاحمتوں کا برقرار رکھنا نارمل حالت کی ایک لازمی شرط ہے اس قسم کی مزاحمتوں کا کم ہو جانا اور اس کے نتیجے کے طور پر لاشعوری مواد کا آگے بڑھنے کے لیے دباؤ نیند کی حالت میں باقاعدگی کے ساتھ واقع ہوتا رہتا ہے اور اس طرح خوابوں کی تشکیل کی لازمی شرط کو وجود میں لاتا ہے۔ دوسری جانب قبل شعوری مواد مزاحمتوں کی بنا پر عارضی طور پر دسترس سے دور اور مسدود ہو جاتا ہے جبکہ وقتی نسیان کے موقعے پر ہوتا ہے یا ایک قبل شعوری خیال کو واقعتاً عارضی طور پر لاشعوری حالت میں واپس ڈھکیلا جاسکتا ہے جیسا کہ مزاح وظرافت کی صورتوں میں ضروری معلوم ہوتا ہے آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ اس قسم کے قبل شعوری مواد یا اعمال کا لاشعوری حالت میں دوبارہ لوٹ جانا اعصابی اختلالی Neurotic Disorders پیدا کرنے میں بہت دخل رکھتا ہے۔

بظاہر یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ذہنی واقعات کی تین خصوصیتوں کا نظریہ جسے ہم نے اس سادگی اور تعمیم کے ساتھ بیان کیا ہے وضاحت میں معاون ہونے کی بجائے بے شمار غلط فہمیوں کا سبب بن سکتا ہے۔ لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ صحیح معنی میں یہ کوئی نظریہ نہیں ہے بلکہ ہمارے مشاہدے میں آنے والے حقائق کا جائزہ لینے کی ایک ابتدائی کوشش ہے جو ان حقائق سے ممکن حد تک قریب رہتی ہے لیکن ان کی تشریح اس کا مقصد نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ پیچیدگیاں جن کو یہ کوشش بے نقاب کرتی ہے ہماری تحقیقات کی مخصوص مشکلات کو اور زیادہ نمایاں کر دیں بہرحال اگر ہم ان ذہنی خصوصیات اور ذہنی آلے کے بارے میں اپنے فرض کیے ہوئے علاقوں اور عوامل کے تعلقات کا دور تک مطالعہ کریں تو یہ گمان غالب ہم اپنے مضمون کے بارے میں زیادہ جان سکیں گے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ تعلقات بھی کچھ ایسے سادہ نہیں بلکہ ان کے اندر بے شمار پیچیدگیاں موجود ہیں۔

کسی چیز کے شعوری بننے کا عمل سب سے بڑھ کر ان ادراکات سے وابستہ ہے جو ہمارے اعضائے حس Sense organs خارجی دنیا سے حاصل کرتے ہیں لہٰذا مکانی نقطۂ نظر سے Topographical یہ ایک ایسا مظہر ہے جو انا کی سب سے آخری بیرونی سطح Cortex میں واقع ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہمیں شعوری اطلاع جسم کے اندر سے بھی موصول ہوتی ہے یعنی ان احساسات سے جو در حقیقت ہماری ذہنی زندگی پر بیرونی ادراکات سے زیادہ فیصلہ کن اثر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض حالات میں یہ اعضائے حسی اپنے مخصوص ادراکات کے علاوہ خود بھی احساسات کی ترسیل کرتے ہیں (مثلاً اذیت کا احساس)۔ لیکن چونکہ یہ احساسات بھی (جنہیں ہم شعوری ادراکات سے ممیز کرنے کے لیے احساس کا نام دیتے ہیں) حد آخر پر واقع اعضائے حس Terminal organs سے پیدا ہوتے ہیں اور چونکہ ہم ان تمام اعضا کو بیرونی سطح Cortex کی توسیعات یا شاخیں سمجھتے ہیں اس لیے اس پیراگراف کے شروع میں جو دعوا پیش کیا گیا ہے اس کو برقرار رکھنا اب بھی ممکن ہے۔ یہاں امتیاز کے لیے صرف اتنا کہنے کی ضرورت ہے کہ جہاں تک حد آخر کے اعضائے حس Terminal organs of Feelings کا تعلق ہے، ہمارا جسم خود بیرونی دنیا کی جگہ لے لیتا ہے۔

سادہ ترین صورت حال جس کا ہم تصور کر سکتے ہیں یہ ہوگی کہ انا کے حاشیے میں شعوری اعمال واقع ہوں اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی ہو وہ لاشعوری انا کے اندر ہو۔ اور در حقیقت

حیوانوں میں جو حالات پائے جاتے ہیں وہ ممکن ہے کہ ایسے ہی ہوں۔ لیکن انسانوں کے معاملے میں ایک مزید پیچیدگی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کے اندرونی اعمال شعور کی خاصیت بھی حاصل کر سکتے ہیں یہ پیچیدگی تکلم Speech کے عمل سے پیدا ہوتی ہے جس کی بدولت انا میں موجود مواد کا بصری اور بالخصوص سمعی مدرکات کے نقوش حافظہ Memory Traces کے ساتھ زیادہ مستحکم ربط قائم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد انا کی بیرونی سطح کے ادراکی حاشیے کو زیادہ وسیع پیمانے پر اندر سے بھی تحریک مل سکتی ہے۔ داخلی واقعات مثلاً ایتلاف خیالات Association of Ideas اور تعقلی اعمال شعوری بن سکتے ہیں اور ان دونوں امکانات کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے ایک خصوصی آلے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یعنی وہ طریقہ جس کو تمیز حقیقت Reality of Testing کہا جاتا ہے۔ اب یہ فارمولا کہ ادراک حقیقت (خارجی دنیا) کے مساوی ہے Perception - Reality درست نہیں رہتا۔ وہ غلطیاں عام طور پر وجود میں آتی ہیں اور درحقیقت خوابوں میں بالالتزام پیدا ہوتی ہیں اوہام یا Hallucinations کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں انا کا اندرونی حصہ جو اور چیزوں کے علاوہ تعقلی اعمال پر مشتمل ہے قبل شعوری ہونے کی خصوصیت رکھتا ہے۔ یہ عمل انا کی امتیازی خصوصیت ہے اور اسی کا خاص ملکہ ہے۔ تاہم یہ دعوا کرنا درست نہ ہوگا کہ تکلم کے نقوش کا حافظے کے ساتھ تعلق قبل شعوری حالت کی ابتدائی شرط ہے۔ اس کے برخلاف یہ حالت ایسی کسی شرط پر منحصر نہیں ہوتی اگرچہ تکلم کی موجودگی کسی عمل کے قبل شعوری ہونے کے بارے میں ایک قابل اعتماد اشارہ فراہم کرتی ہے۔ قبل شعوری حالت کی ایک خصوصیت تو یہ ہوتی ہے کہ اس کو شعور تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ یہ الفاظ کے ماقبل آثار Verbal Residues سے وابستہ ہوتی ہے یہ بہرحال ایک منفرد حالت ہے جس کی خصوصیات دو مذکورہ خصوصیتوں تک محدود نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انا اور خاص طور فوق الانا کا ایک بڑا حصہ جس کی قبل شعوری کیفیت سے انکار ممکن نہیں اس کے باوجود بڑی حد تک (لفظ لاشعور کے مظاہریاتی مفہوم میں) لاشعوری ہی رہتا ہے۔ ہمیں یہ علم نہیں کہ ایسا ہونا کیوں ضروری ہے آگے چل کر ہم قبل شعور کی اصل نوعیت کے مسئلے سے نمٹنے کی کوشش کریں گے۔

وہ واحد خصوصیت جو اڈ پر حکمراں رہتی ہے وہ اس کے لاشعوری ہونے کی خصوصیت ہے اڈ اور لاشعور کے درمیان وہی قریبی اتحاد پایا جاتا ہے جو انا اور قبل شعور کے درمیان پایا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اول الذکر تعلق زیادہ مانع Exclusive ہے۔ اگر ہم فرد اس کے آلہ نفس کے نشو ونما کی تاریخ پر پلٹ کر نظر ڈالیں تو ہم اڈ میں بھی ایک اہم امتیاز کر سکیں گے۔ ابتدا میں تو یقیناً ہر چیز اڈ ہی تھی۔ اڈ سے انا کی نشو ونما بیرونی دنیا کے مسلسل اثرات کی بدولت ہوئی۔ اس سست رو نشو ونما کے عمل کے دوران اڈ کے اندر کچھ مواد قبل شعوری حالت میں تبدیل ہوگیا اور اس طرح انا میں شامل ہوگیا۔ کچھ اور مواد غیر مبدل حالت میں اڈ میں ایک ایسا مرکزہ Nucleus بن کر باقی رہ گیا جس تک بمشکل رسائی ممکن ہے۔ لیکن اس نشو ونما کے دوران کم عمر اور کمزور انا کچھ مواد کو جو اس نے پہلے قبول کر لیا تھا رد کر کے لاشعوری حالت میں ڈھکیلتی رہی اور یہی طرز عمل اس نے بہت سے ایسے تاثرات کے بارے میں اختیار کیا جن کو وہ اپنے اندر قبول نہیں کر سکتی تھی۔ اس طرح یہ تاثرات رد کر دیئے گئے اور صرف اڈ میں اپنے نقوش چھوڑ سکے۔ اس کی اصل کے پیش نظر ہم اڈ کے اس حصے کو احتباس زدہ Repressed حصہ کہتے ہیں۔ یہ بات زیادہ اہم نہیں کہ ہم ہمیشہ اڈ میں موجود مواد کی دونوں قسموں کے درمیان واضح حد امتیاز قائم نہیں کر سکتے۔ یہ اس تقسیم سے تقریباً مطابق ہوتے ہیں جو اس مواد میں جو انا میں ابتدا سے موجود تھا اور جو اس کی نشو ونما کے دوران حاصل ہوا، پائی جاتی ہے۔

ذہنی آلے کی انا اور اڈ کے درمیان مکانی Topographical تقسیم کا فیصلہ کر لینے کے بعد جس کے ساتھ قبل شعور اور لاشعور کی خصوصیات کا فرق متوازی طور پر چلتا ہے اور یہ طے کر لینے کے بعد کہ یہ خصوصیت امتیاز کی صرف ایک علامت ہے اور اس کی اصل پر حاوی نہیں اب ہمیں ایک اور سوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ اس حالت کی اصل نوعیت کیا ہے جو اڈ کے معاملے میں اس کے لاشعوری ہونے کی خصوصیت سے ظاہر ہوتی ہے اور انا کے سلسلے میں اس کے قبل شعوری ہونے کی خصوصیت سے ظاہر ہوتی ہے اور ان دونوں کے درمیان امتیاز کس چیز پر مشتمل ہے۔

لیکن اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے اور ہمارے جہل کی گہری تاریکی کو روشنی کی ایک آدھ کرن بمشکل منور کر سکتی ہے کیونکہ یہاں ہم اس راز کے قریب پہنچ جاتے ہیں جو ابھی تک پردوں میں مستور ہے یعنی جو چیز ذہنی ہے اس کی نوعیت کیا ہے اور جس طرح دوسری نیچرل سائنسوں نے ہمیں توقعات قائم کرنا سکھایا ہے۔ ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ذہنی زندگی میں بھی کوئی خاص قسم کی توانائی برسر عمل ہے لیکن ہمارے پاس ایسی شہادتیں نہیں ہیں جو ہمیں توانائی کی دوسری

اقسام کی مثالوں سے اس کے علم تک پہنچنے میں مدد دے سکیں۔ بظاہر ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اعصابی یا نفسی توانائی دو صورتوں میں موجود رہتی ہے ایک جو آزادی سے حرکت پذیر ہے اور اس کے برعکس دوسری جو بستہ Bound ہے۔ ہم ذہنی مواد کی وابستگیوں Cathexes اور بالاتر وابستگیوں Hyper cathexes کا ذکر کرتے ہیں اور یہ فرض کرنے کی جسارت کرتے ہیں کہ ایک ایسی بالاتر وابستگی کا وجود ہے جس سے ترکیب Synthesis پاکر مختلف اعمال ایک مجموعے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یعنی اس طرح کی ترکیب یا امتزاج جس سے آزاد توانائی بستہ توانائی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس سے آگے جانا ہمارے لیے ممکن نہیں ہو سکا۔ تاہم ہم اس نظریے پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں کہ لاشعور اور قبل شعور کے درمیان امتیاز اسی طرح کے کسی حرکی Dynamic تعلق پر قائم ہے جس سے اس بات کی وضاحت ہو سکتی ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ایک حالت دوسری میں تبدیل ہو سکتی ہے خواہ یہ تبدیلی خود بخود واقع ہو یا ہماری مدد اور کوشش سے ہو۔

لیکن ان تمام بے یقینیوں کے پیچھے ایک نئی حقیقت موجود ہے جس کے انکشاف کے لیے ہم تحلیل نفسی کی تحقیقات کے ممنون ہیں۔ ہم نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ لاشعور یا اڈ کے اعمال جن قوانین کے تابع ہیں وہ ان قوانین سے مختلف ہیں جو قبل شعوری انا میں کار فرما ہیں۔ ہم ان قوانین کو ان کی مجموعی حیثیت میں ابتدائی عمل Primary Process کا نام ان ثانوی اعمال Secondary processes سے ممیز کرنے کے لیے دیتے ہیں جو قبل شعور یا ان کے واقعات کی تنظیم کرتے ہیں۔ اسی طرح بالآخر ذہنی خصوصیات کا مطالعہ بے نتیجہ ثابت نہیں ہوتا۔

باب 5

تعبیر خواب بطور مثال

عام مستقل ذہنی حالتوں کی تفتیش ہمارے علم میں بہت کم اضافہ کر سکتی ہے۔ ان حالتوں میں مزاحمت یا وابستگی کے استرداد Anti ca thexes کے ذریعے انا کی سرحدوں کا تحفظ ہوتا ہے اور وہ مستحکم رہتی ہیں اور جن میں فوق الانا انا سے ممیز نہیں ہوتی کیونکہ دونوں ہم آہنگی کے ساتھ مل کر عمل کرتی ہیں۔ جو چیزیں ہمارے لیے معاون کار آمد ہو سکتی ہیں کشمکش یا بغاوت کی حالتیں ہیں جن میں غیر شعوری اڈ کے مواد کو انا اور شعور میں زبردستی دخل انداز ہونے کا موقع ملتا ہے اور جن میں انا اپنے آپ کو اس حملے کے خلاف از سر نو مسلح کرتی ہے۔ ہم صرف ایسے ہی حالات میں وہ مشاہدات کر سکتے ہیں جو ان دو فریقوں کے بارے میں ہمارے نقطہ نظر کی تائید یا تصحیح کر سکتے ہیں، لیکن ہماری ہر رات کی نیند بالکل اسی طرح کی حالت ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارا نیند کے دوران عمل جس کا ہم خواب کی شکل میں مشاہدہ کرتے ہیں ہمارے مطالعے کے لیے سب سے زیادہ سازگار موضوع ہے۔ اس طرح ہم اس معروف الزام سے بھی بچ سکتے ہیں کہ ہم ذہن کی نارمل زندگی کی تشکیل کو بنا معالجاتی نتائج پر رکھتے ہیں اس لیے کہ خواب نارمل انسانوں کی زندگی کے عام باقاعدہ واقعات ہوتے ہیں خواہ ان کی خصوصیات ہماری بیداری کی زندگی کی پیداوار سے کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

جیسا ہر شخص کو معلوم ہے، خواب بہت بے ترتیب، ناقابل فہم یا قطعی طور پر مہمل ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں موجود مواد ہر اس چیز کی تردید کرتا ہو جو ہم حقیقت کے بارے میں جانتے ہیں۔ ان خوابوں میں ہمارا طرز عمل پاگل لوگوں کی طرح ہوتا ہے کیونکہ جب تک ہم خواب دیکھتے رہتے ہیں ہم معروضی حقیقت کو اپنے خوابوں کے مواد کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ہم بیدار ہو کر جس چیز کو خواب کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں وہ حقیقی خواب کا عمل نہیں ہوتا بلکہ ایک ظاہری پہلو Facade ہوتا ہے جس کے پیچھے وہ عمل چھپا ہوا ہوتا ہے تو اس صورت میں ہم خوابوں کو سمجھنے یا ان کی تعبیر کی راہ پا سکتے ہیں، یہاں ہم ظاہری مواد خواب

Latent-dream اور مضمر خیالات خواب Manifest dream-Mabrid thoughts کے درمیان امتیاز کرتے ہیں۔ وہ عمل جو خیالات خواب میں سے مواد خواب کی تخلیق کرتا ہے عمل خواب dream work کہلاتا ہے۔ عمل خواب کا مطالعہ ہمارے لیے اس طریقے کی بہت عمدہ اچھی مثال فراہم کرتا ہے جس سے اڈ سے حاصل شدہ لاشعوری مواد۔ خواہ وہ اصلاً لاشعوری ہو یا احتباس Repression کے ذریعے لاشعوری بن گیا ہو اپنے آپ کو انا پر زبردستی مسلط کرتا ہے قبل شعوری بن جاتا ہے اور پھر انا کی کوششوں کی بدولت ترمیم کے اس عمل سے دوچار ہوتا ہے جسے ہم تحریف خواب Dream Distortion کہتے ہیں۔ خواب کا کوئی پہلو Featura ایسا نہیں جس کی توضیح اس طریقے سے نہ کی جا سکے۔

بہترین طریقہ یہ ہے کہ ابتدا ہی میں اس حقیقت کی جانب اشارہ کر دیا جائے کہ خوابوں کی تشکیل کی تحریک دو طریقوں سے پیدا ہو سکتی ہے۔ یا تو یہ تشکیل کسی جبلی تحریک سے پیدا ہوتی ہے جسے عام طور پر دبا دیا جاتا ہے۔ یہ تحریک نیند کی حالت میں اتنی قوت حاصل کر لیتی ہے کہ انا کو متاثر کر سکے یا بیداری کی زندگی سے کوئی بچی ہوئی خواہش اس کی محرک ہوتی ہے۔ یہ ایک قبل شعوری سلسلۂ خیالات ہوتا ہے جس میں وہ تمام باہم متصادم تحریکات شامل ہوتی ہیں جو اس کا حصہ ہیں اور جن کو نیند کی حالت میں ایک لاشعوری عنصر سے مزید تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔ خوابوں کی تشکیل کی میکانیت Mechanism دونوں صورتوں میں یکساں ہوتی ہے اور اسی طرح ان کی لازمی حرکی شرط بھی یکساں ہوتی ہے۔ انا کبھی کبھی اپنے عمل کو معطل کر کے اور ایک سابقہ صورت حال کی طرف مراجعت کی اجازت دے کر اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اس کا سرچشمہ اڈ ہی ہے۔ وہ بیرونی دنیا سے اپنے تعلقات منقطع کر کے اور اعضائے حس سے اپنی وابستگیاں Cathexes واپس لے کر یہ نتائج پیدا کرتی ہے۔ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ پیدائش کے وقت ایک جبلت پیدا ہوتی ہے جو چھوڑی ہوئی اندرونی رحم کی زندگی کی طرف لوٹ جانے کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کو نیند کی جبلی تحریک کہا جاتا ہے۔ نیند اس طرح رحم مادر میں واپسی بن جاتی ہے۔ کیونکہ بیدار انا حرکت کی قوت کو اپنے قابو میں رکھتی ہے، وہ عمل نیند کی حالت میں معطل ہو جاتا ہے اور اسی لیے لاشعوری اڈ پر عائد کردہ بندشوں INHIBITIONS کا بڑا حصہ غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ اس طرح ردِ وابستگی کے عمل ANTICATHEXES کا واپس لے لیا جانا یا کم ہو جانا اب اڈ کو ایک بے ضرر سی آزادی دے دیتا ہے۔ لاشعوری اڈ خوابوں کی تشکیل میں جو حصہ لیتی ہے اس کی

یقین آفریں شہادتیں بہ کثرت ملتی ہیں۔ (۱) بیداری کی زندگی کے مقابلے میں خوابوں میں قوت حافظہ بہت زیادہ ہمہ گیر ہوتی ہے۔ خواب ان یادوں کو واپس لے آتے ہیں جنہیں خواب دیکھنے والا بھول چکا ہوتا ہے اور بیداری کی حالت میں اس کی دسترس سے باہر ہوتی ہے۔ (ب) خواب بیشمار لسانی علامتوں Linguistic Symbols کو کام میں لاتے ہیں جن کا مفہوم بڑی حد تک خواب دیکھنے والے کو معلوم نہیں ہوتا تاہم ہمارا تجربہ ہمیں ان کا مفہوم متعین کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ان علامتوں کی اصل غالباً زبان کی نشوونما کے گزشتہ ادوار میں ہوتی ہے۔ (ج) اکثر خوابوں میں خواب دیکھنے والے کے بچپن کے ابتدائی دور کے تاثرات دوبارہ پیش ہوتے ہیں جن کے بارے میں ہم قطعیت کے ساتھ یہ دعوا کر سکتے کہ وہ نہ صرف فراموش شدہ ہیں بلکہ احتباس کے عمل کی بدولت لاشعوری بن چکے ہیں۔ اس سے اس بات کی توضیح ہوتی ہے کہ اعصابی اختلال کے تحلیلی علاج کے دوران جب ہم خواب دیکھنے والے کی ابتدائی زندگی کی ازسرنو تشکیل کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں خوابوں سے کتنی مدد ملتی ہے۔ عموماً اس مدد کے بغیر کامیابی ممکن نہیں ہوتی۔ (د) اس کے علاوہ خواب ایسے مواد کو بھی روشنی میں لاتے ہیں جس کی اصل نہ خواب دیکھنے والے کی بعد از بلوغ زندگی میں ملتی ہے نہ اس کے فراموش شدہ بچپن میں۔ ہم اسے عہد عتیق کی میراث Archaic Heritage کا ایک حصہ ماننے پر مجبور ہیں جو بچہ اور حواس کے ذاتی تجربات کے آغاز سے بہت پہلے وجود میں آ چکے ہیں اپنے ساتھ دنیا میں لاتا ہے۔ یہ اس کے مورثوں کے تجربات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمیں قدیم ترین انسانی روایتوں اور ماضی کے رسم و رواج کی باقیات میں ایسے عناصر ملتے ہیں جو اس نوعی اصل کے Phylogenetic مواد سے مطابقت رکھتے ہیں۔ خوابوں میں ہمیں انسان کے ماقبل تاریخ تجربات کا سرچشمہ ملتا ہے جس کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن جو چیز خوابوں کو ہمارے لیے ایک بیش بہا ذریعہ علم بناتی ہے وہ ان کی یہ خصوصیت ہے کہ جب لاشعوری مواد انا میں زبردستی مداخلت کرتا ہے تو وہ اپنے ساتھ اپنا طریق کار بھی لاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خواب کے عمل کے دوران ان قبل شعوری خیالات کے ساتھ جن میں لاشعوری مواد اپنا اظہار کرتا ہے اس طرح کا سلوک کیا جاتا گویا وہ اڈ کے لاشعوری حصے ہوں اور خوابوں کی تشکیل کے دوسرے طریقے میں ان قبل شعوری خیالات کو جنہیں لاشعوری جبلی تحریک سے تقویت مل چکی ہے لاشعوری حالت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ صرف اس طریقے سے ہم ان قوانین کو دریافت کر سکتے ہیں جو لاشعوری اعمال پر نافذالعمل ہیں اور اسی طریقے سے ہم یہ مان سکتے ہیں کہ کس اعتبارات

سے یہ قوانین ان اصولوں سے مختلف ہیں جن سے ہم قبل شعوری خیالات میں آشنا ہوتے ہیں۔ اس طرح عمل خواب اصلاً قبل شعوری فکری عمل خیالات کا لاشعوری اعادہ ہے۔ اس کی مثال تاریخ سے لی جاسکتی ہے حملہ آور فاتحین مفتوحہ ملک کا نظم و نسق اس نظام قانون کے مطابق نہیں چلاتے جو انہیں وہاں پہلے سے موجود ملتا ہے بلکہ اپنے قانون کے ماتحت حکومت کرتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ عمل خواب کا نتیجہ ایک سمجھوتہ ہوتا ہے۔ انا کی تنظیم ابھی بالکل مفلوج نہیں ہوتی اور اس کا اثر لاشعوری مواد کی تحریف DISTORTION میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ اثر اکثر اس ناکام کوشش میں بھی نظر آتا ہے کہ مجموعی نتیجے کو ایسی شکل دی جائے جو انا کے لئے کلیتاً ناقابل قبول نہ ہو۔ یہ کام ایک ثانوی توضیح یا ثانوی تشریح کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ ہماری دی ہوئی مثال میں اسے مفتوح قوم کی مسلسل مزاحمت کے آثار سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

وہ قوانین جو لاشعوری اعمال پر نافذ ہوتے ہیں اور جو اس طرح روشنی میں آتے ہیں بہت قابل توجہ ہیں خوابوں میں جو چیزیں ہمیں عجیب معلوم ہوتی ہیں یہ قوانین ان میں سے اکثر کی وضاحت کے لیے کافی ہیں سب سے بڑھ کر ان میں تکثیف CONDENSATION کا ایک نمایاں رجحان پایا جاتا ہے۔ یعنی ان عناصر میں کئی وحدتیں پیدا کرنے کا رجحان جنہیں ہم عالم بیداری کے خیالات میں یقیناً علاحدہ رکھنے کی کوشش کرتے۔ اس کے نتیجے کے طور پر خواب ظاہر Manifest dream اکثر مضمر خیالات خواب Dream thoughts کی ایک بڑی تعداد کی اس طرح نمائندگی کرتا ہے گویا وہ ان سب کا ایک مجموعی حوالہ ہو۔ عام طور پر ایک خواب ظاہر میں مواد خواب کے تمام پہلو شامل نہیں ہوتے اور اس مواد کی فراوانی کے مقابلے میں جس سے وہ ابھرا ہے غیر معمولی طور پر کم ہوتے ہیں۔ عمل خواب کی ایک اور خصوصیت جو مذکورہ بالا خصوصیت سے بالکل ہی بے تعلق نہیں یہ ہے کہ ذہنی شدتیں یا جذباتی وابستگیاں ایک عنصر سے دوسرے کی طرف بآسانی منتقل ہوجاتی ہیں۔ اس کی وجہ سے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک عنصر جو خیالات خواب کے اندر کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا اب خواب ظاہر کا سب سے زیادہ واضح اور اسی بنا پر زیادہ اہم پہلو معلوم ہوتا ہے اور اس کے برعکس خیالات خواب کے بنیادی عناصر خواب ظاہر میں بے حد دھندلے اشاروں کے ذریعے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ عام طور پر ان دو عناصر میں بعض انتہائی غیر اہم مشترک پہلوؤں کا پایا جانا اس بات کے لیے کافی ہوتا ہے کہ عمل خواب کسی دوسرے مقصد کے ماتحت ایک کو دوسرے سے بدل دے۔ اس بات کا بہ آسانی تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ دشواریاں جو کسی خواب کی تعبیر میں اور خواب

ظاہر اور مضمر خیالات خواب کے تعلقات کو ظاہر کرنے میں پیش آتی ہیں اس تکثیف Conde-nsation یا تبدیلی Displacement کی میکانیت Mechanism کی بنا پر کسی حد تک بڑھ سکتی ہیں تکثیف اور تبدیلی کے ان دو رجحانات کی شہادتوں کی بنا پر ہم اپنے نظریے میں اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ لاشعوری اڈ میں موجود توانائی ایک آزاد حرکت پذیر حالت میں ہوتی ہے اور اڈ کسی دوسری مصلحت کا لحاظ کرنے کی بجائے برانگیختگی کی مقدار کے اخراج کو زیادہ اہمیت دیتا ہے[1] اور اس بنیادی عمل کی نوعیت کے تعین میں جو ہم نے اڈ سے منسوب کیا ہے ہمارا نظریہ ان دونوں خصوصیات سے کام لیتا ہے۔

عمل خواب کے مطالعے نے ہمیں لاشعور کے اندر رونما ہونے والے اعمال کی چند دوسری خصوصیات کے بارے میں آگہی بخشی ہے جو اتنی ہی اہم اور قابل توجہ ہیں لیکن ہم ان چند ہی خصوصیات کا ذکر کر سکتے ہیں۔ منطق کی بنیادوں پر کار فرما قوانین لاشعور پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اس کو غیر منطقی رجحانات کی قلمرو قرار دیا جا سکتا ہے۔ متضاد مقاصد کے حامل محرکات لاشعور میں پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہیں اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا کوئی مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ وہ یا تو ایک دوسرے پر کوئی اثر مرتب نہیں کرتے یا اگر اثر کرتے بھی ہیں تو اس کشمکش کا کوئی فیصلہ نہیں ہوتا لیکن ایک مفاہمت وجود میں آتی ہے جو اس بنا پر بے معنی ہوتی ہے کہ یہ باہمد گر مانع عناصر کے درمیان ہوتی ہے اسی طرح خوابوں میں متخالف Contrary عناصر کو ایک دوسرے سے الگ نہیں رکھا جا سکتا بلکہ ان کے ساتھ اس طرح سلوک کیا جاتا ہے گویا وہ یکساں ہیں اور اس طرح خواب ظاہر میں کوئی ایک عنصر اپنے متخالف عنصر کی جگہ لے سکتا ہے۔ بعض ماہرین علم اللسان نے یہ دریافت کیا ہے کہ بعینہٖ یہی بات بعض قدیم ترین زبانوں پر بھی صادق آتی ہے اور ان میں اضداد مثلاً قوی، ضعیف روشن، تاریک بلند، عمیق ابتداً اس وقت تک ایک ہی مادے سے ظاہر کئے جاتے رہے جب تک اصل لفظ کی دو ترمیم شدہ ہیئتیں دونوں مختلف معانی کو ادا کرنے کے لیے استعمال نہیں ہونے لگیں۔ ابتدائی دہرے معانی کے آثار لاطینی جیسی اعلا پیمانے پر ترقی یافتہ زبان میں بھی باقی رہ گئے ہیں مثلاً آلٹس ALTUS بمعنی بلند اور گہرا یا سیکر SACER بمعنی مقدس اور ملعون جیسے

---

[1] اسکی مثال ہمیں جونیر فوجی افسر کے طرز عمل میں ملتی ہے جو اپنے افسر بالا کی جانب سے سرزنش کو خاموشی کے ساتھ قبول کر لیتا ہے لیکن اپنا غصہ سب سے پہلے سامنے آنے والے بے قصور سپاہی پر اتارتا ہے۔

الفاظ کے استعمال ہیں۔

خواب ظاہر اور اس کے پس پردہ پوشیدہ مواد کے درمیان تعلقات کی پیچیدگی اور کثرت تعداد کے پیش نظر یہ سوال کرنا واقعی قابل جواز ہوگا کہ ایک کا دوسرے سے استنباط کرنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے اور کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم حسن اتفاق پر مبنی چند قیاسات پر بھروسہ کر رہے ہوں جن کی تائید شاید خواب ظاہر میں واقع ہونے والی علامتوں کے ترجمے سے ہو سکتی ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خوابوں کی بہت بڑی اکثریت کے سلسلے میں اس مسلے کو قابل اطمینان طریقے پر حل کرنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ اب دیکھنے والے کے فراہم کیے ہوئے خواب ظاہر کے عناصر کے ایتلافات Associations سے مدد لی جائے۔ اس کے علاوہ ہر طریقہ خود رائی پر مبنی ہوگا اور کسی یقینی نتیجے تک راہنمائی نہ کر سکے گا۔ لیکن خواب دیکھنے والے کے ایتلافات ذہنی کچھ درمیانی کڑیوں کو روشنی میں لاتے ہیں جن سے ہم دونوں کے درمیان خلا کو پُر کر سکتے ہیں اور ان کی مدد سے خواب کے مضمر مواد کی بازیافت کر سکتے ہیں اس طرح خواب کی تعبیر کر سکتے ہیں۔ لیکن اس بات پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ تعبیر کی یہ کوشش جو عمل خواب کے برعکس سمت میں عمل کرتی ہے بعض اوقات بالکل یقینی نتیجے تک پہنچنے میں ناکام رہتی ہے۔

اب ہمارے لیے یہ کام رہ جاتا ہے کہ اس بات کی کوئی حرکی Dynamic تشریح پیش کریں کہ اولین طور پر محو خواب انا اپنے اوپر عمل خواب کی ذمہ داری کیوں لیتی ہے۔ خوش قسمتی سے اس کی تشریح بہ آسانی کی جا سکتی ہے۔ ہر خواب اگر اس کی اصل اڈ میں ہو اپنی تشکیل کے دوران لاشعور کی مدد سے انا سے کسی جبلت کی تسکین کا مطالبہ کرتا ہے یا اگر اس کی بنیاد بیداری کی حالت کے قبل شعور عمل کی باقیات پر ہو تو اس مطالبے کا مقصد کسی کشمکش کا حل کسی بے یقینی کا ازالہ یا کسی فیصلے تک پہنچنا ہوتا ہے۔ لیکن محو خواب انا کی توجہ نیند کو برقرار رکھنے کی خواہش پر مرکوز ہوتی ہے۔ وہ اس مطالبے کو ایک خلل اندازی سمجھتی ہے اور اس خلل اندازی سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتی ہے۔ انا اس مقصد کو ایک ایسے عمل کے ذریعے حاصل کرتی ہے جو بظاہر اس مطالبے کی تعمیل معلوم ہوتا ہے۔ ان حالات میں کسی خواہش کی معصومانہ تکمیل کی جو صورت ممکن ہوتی ہے اس کے ذریعے انا اس مطالبے کو پورا کرتی ہے اور اس طرح اس کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ اس طرح کسی خواہش کی تسکین کے ذریعے کسی مطالبے کی تبدیلی Replacement ہی عمل خواب کا حقیقی وظیفہ ہے۔ شاید اس حقیقت کو تین سادہ سی مثالوں کی مدد سے واضح کرنا بے محل نہ ہوگا مثلاً اول خواب گرسنگی

Hunger Dream دوم خواب سہولت Dream of Convenience اور سوم جنسی خواہش سے پیدا ہونے والے خواب۔ کبھی نیند کے دوران صاحب خواب کو غذا کی طلب بےچین کرتی ہے۔ وہ لذیذ کھانے کا خواب دیکھتا ہے اور سوتا رہتا ہے۔ درحقیقت اس کے سامنے دو راستے کھلے ہوئے تھے۔ یعنی یا تو جاگ کر کوئی چیز کھائے یا بدستور سوتا رہے۔ اس نے دوسرے راستے کے حق میں فیصلہ کیا اور خواب کے ذریعے کم از کم وقتی طور پر اپنی بھوک کی تسکین کر لی کیونکہ اگر اس کی بھوک برقرار رہتی تو اسے بہرحال جاگنا ہی پڑتا۔ دوسری مثال یہ ہے کہ ایک سونے والے شخص کو ہسپتال میں اپنے کام پر بر وقت پہنچنے کے لیے جاگنا ضروری ہے۔ لیکن وہ سوتا رہتا ہے اور خواب دیکھتا ہے کہ وہ ہسپتال میں ہے۔ لیکن ایک مریض کی حالت میں جسے اٹھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تیسری مثال یہ ہے کہ رات کے وقت کسی شخص کے اندر کسی ممنوع جنسی معروض مثلاً کسی دوست کی بیوی سے جنسی لذت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ سونے والا حالت خواب میں خود کو جنسی عمل میں مصروف دیکھتا ہے لیکن اس خاص عورت کے ساتھ نہیں بلکہ کسی اور عورت کے ساتھ جو اسی کی ہمنام ہے لیکن اس کی جانب سونے والے کا کوئی میلان نہیں۔ اس جنسی خواہش پر اس کے اعتراض کا اظہار اس طرح ہو سکتا ہے۔ اس کی محبوبہ بالکل بے نام رہے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہر مثال اتنی سادہ نہ ہو گی۔ بالخصوص ان خوابوں میں محرک لاشعوری قوت اور اس کی خواہش کی تکمیل کا سراغ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے جو گزشتہ دن کے تجربات کی ایک باقیات سے پیدا ہوئے ہوں جن پر کوئی کارروائی نہ کی گئی ہو اور جنہوں نے نیند کے دوران لاشعور سے مزید تقویت حاصل کر لی ہو۔ لیکن ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ یہ لاشعوری محرک اور تکمیل خواہش کا عنصر خوابوں میں ہمیشہ موجود رہتا ہے۔

یہ دعوا کہ خواب تکمیل خواہش کا ذریعہ ہوتے ہیں بہت سے ذہنوں میں بہ آسانی شک و شبہ پیدا کرے گا کہ کتنے ہی خواب قطعی طور پر الم انگیز مواد کے حامل ہوتے ہیں بلکہ وہ سونے والے کو تشویش کے احساس کے ساتھ جگا دیتے ہیں اس کے علاوہ متعدد خواب ایسے ہوتے ہیں جن میں احساس کا کوئی واضح اور معین عنصر نہیں ہوتا لیکن تشویش انگیز خوابوں پر یہ اعتراض تجربے کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا۔ ہمیں یہ بھولنا نہیں چاہیے کہ خواب ہمیشہ ایک کشمکش کی پیداوار ہوتے ہیں اور ان کی حیثیت ایک طرح کی مفاہمتی تشکیل کی ہوتی ہے۔ کوئی چیز جو

لاشعور اڈ کے لیے باعث تسکین ہو اسی بنا پر انا کے لیے تشویش کا باعث ہو سکتی ہے۔ جب عمل خواب جاری ہوتا ہے تو کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ لاشعور اپنے اظہار کی راہیں تلاش کرنے میں زیادہ کامیاب ثابت ہوتا ہے اور کبھی انا زیادہ قوت کے ساتھ اپنی مدافعت کرتی ہے۔ تشویش انگیز خواب عموماً وہ ہوتے ہیں جن میں مواد خواب کی تحریف کا عمل DISTORTION کم سے کم ہوتا ہے۔ اگر لاشعور کا مطالبہ اتنا بڑا نہ ہو کہ خوابیدہ انا اس قابل نہ رہے کہ اپنی دسترس میں قابل حصول ذرائع سے اس کے خلاف مدافعت کر سکے تو وہ نیند کی خواہش سے دستکش ہو جاتی ہے اور حالت بیداری کی طرف لوٹ آتی ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ ہر خواب تسکین خواہش کے ذریعے نیند میں کسی خلل اندازی کو رد کرنے کی کوشش ہے تو ہمارا یہ دعوا اپنے کام مشاہدات کو پیش نظر رکھ کر ہی کیا جا سکے گا۔ اس طرح یہ کہنا درست ہوگا کہ خواب نیند کا محافظ ہے۔ یہ کوشش کم و بیش مکمل طور پر کامیاب بھی ہو سکتی ہے اور کبھی ناکام بھی ہوتی ہے اور اس صورت میں سونے والا جاگ جاتا ہے اور بظاہر خواب خود اس کو جگا دیتا ہے۔ اسی طرح ایسے موقع بھی آتے ہیں جب اس "بھلے مانس" یعنی پاسبان شب کے لیے جس کا کام ایک چھوٹی سی بستی کی نیند کی حفاظت کرنا ہے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ خطرے کی گھنٹی بجا دے اور بستی کے خوابیدہ لوگوں کو بیدار کر دے۔

یہ طویل وقت جو ہم نے تعبیر خواب کے مسئلے پر صرف کیا ہے اس کا جواز ثابت کرنے کیلئے ہم اس گفتگو کو حسب ذیل بیان پر ختم کریں گے۔ تجربے نے ہمیں بتایا ہے کہ لاشعوری میکانیت MECHANISMS جس کو ہم اپنے عمل خواب کے مطالعے سے دریافت کر سکے ہیں اور جس سے ہمیں خوابوں کی تشکیل کی توضیح بھی ملتی ہے وہ ان پیچیدہ علامات کو سمجھنے میں بھی مدد دیتے ہیں جو ہماری توجہ کو نفسیاتی اختلال PSYCHOSIS اور اعصابی خرابیوں NEUROSES کی جانب کھینچتی ہیں۔ اس طرح کی اتفاقی مطابقت ہمارے اندر بلند توقعات ابھارنے میں کبھی قاصر نہیں رہ سکتی۔

حصہ دوم

عملی کام

باب 6

تحلیل نفسی کا طریق کار

گزشتہ بحث کا ماحصل یہ ہے کہ خواب ایک نفسیاتی اختلال Psychosis کی حالت ہے جس میں اختلال کی تمام خصوصیات اس کی ساری مہملیت Absurdity وہم اور فریب خیال Delusion اور فریب نظر illusions پائے جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ نفسیاتی اختلال ایک قلیل عرصے تک قائم رہنے والی حالت ہے جو بے ضرر ہے بلکہ کچھ مفید کام ہی انجام دیتی ہے۔ یہ حالت کسی شخص کی رضامندی سے وجود میں آتی ہے اور اسی کے ایک ارادی عمل سے ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن بہرحال وہ ایک اختلال ہی ہے اور ہم اس سے یہ سبق حاصل کرتے ہیں کہ ذہنی زندگی کی ایک گہری تبدیلی بھی کالعدم کی جا سکتی ہے اور نارمل اعمال کو اپنی جگہ دے سکتی ہے۔ ایسی صورت میں کیا یہ امید کرنا ایک جسارت بیجا سمجھا جائے گا کہ ذہن کی ہیبت ناک اور از خود وجود میں آنے والی بیماریوں کو اپنے تصرف میں لانا اور ان کو شفایاب کرنا بھی ہمارے لیے ممکن ہوگا۔

اس قسم کے اقدام کے لیے کافی ابتدائی معلومات ہمیں پہلے ہی حاصل ہیں۔ ہم نے یہ دعوا کیا ہے کہ انا کے ذمے ان تین حصوں کے مطالبات کو پورا کرنے کا فرض ہے جن پر اس کا انحصار ہے یعنی حقیقت Reality اڈ اور فوق الانا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی تنظیم کا تحفظ کرنا اور اپنی خود مختاری کو قائم رکھنا بھی اس کا فرض ہے۔ جن مریضانہ حالتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کی بنیادی شرط انا کا اضافی یا مطلق ضعف ہی ہو سکتا ہے جو اسے اپنے فرائض ادا کرنے سے روکے انا پر عائد شدید ترین مطالبہ غالباً اڈ کے جبلی تقاضوں کو دبائے رکھنے کا ہے اور وہ اس مقصد

کے حصول کے لیے منفی وابستگیوں ANTI-Cathexes پر بہت زیادہ صرفِ قوت برداشت کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ لیکن فوق الانا کے مطالبات بھی اتنے قوی شدید اور بے رحمانہ ہو سکتے ہیں کہ انا کو اس حد تک اپاہج بنا دیں کہ وہ اپنے دوسرے کاموں کے قابل نہ رہے۔ ہم یہ گمان کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ان معاشی کشمکشوں میں جواب پیش آرہی ہیں۔ اڈ اور فوق الانا مشکلات میں گھری ہوئی انا کے خلاف متحد ہوجاتے ہیں اور انا اپنی نارمل حالت کو برقرار رکھنے کے لیے حقیقت سے چمٹی رہتی ہے لیکن اگر دونوں حریف اس کے مقابلے میں بہت زیادہ قوی ہیں تو وہ انا کی تنظیم کو ڈھیلا کرنے میں اور اس کو اس طرح بدلنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں کہ حقیقت کے ساتھ انا کے صحیح رشتے میں خلل آجائے یا وہ رشتہ ہی ختم ہوجائے۔ ہم خواب کے ضمن میں اس کے وقوع کی مثال دیکھ چکے ہیں۔ جب انا خارجی دنیا کی حقیقت سے بے تعلق ہوجاتی ہے تو اپنی داخلی دنیا کے زیر اثر وہ اختلال نفسی Psychosis کی حالت میں گرفتار ہوجاتی ہے۔

ہمارا نفسیاتی معالجے کا منصوبہ انہی نظریات پر مبنی ہے۔ انا اندرونی کشمکش سے کمزور ہوچکی ہوتی ہے۔ اب ہمیں اس کی مدد کرنا چاہیے۔ یہ صورت حال ایک خانہ جنگی کی سی ہوتی ہے جس کا فیصلہ کسی بیرونی حلیف کی مدد ہی سے ہوسکتا ہے۔ تحلیلی معالج اور مریض کی کمزور انا کو حقیقی خارجی دنیا کی بنیاد پر قدم جماتے ہوئے مشترکہ دشمنوں یعنی اڈ کے جبلی تقاضوں اور فوق الانا کے اخلاقی مطالبات کے خلاف آپس میں متحد ہونا پڑتا ہے۔ اس غرض سے ہم ایک دوسرے کے ساتھ ایک معاہدہ کرتے ہیں۔ مریض کی بیمار انا ہم سے مکمل ترین صاف گوئی کا وعدہ کرتی ہے یعنی اس بات کا وعدہ کرتی ہے کہ وہ تمام مواد جو اس کا مشاہدۂ ذات فراہم کرتا ہے ہمارے تصرف میں دے دیگی دوسری طرف ہم اس کو مکمل رازداری کا یقین دلاکر لاشعور سے متاثر مواد کی تعبیر میں اپنے تجربے کو اس کی مدد کے لیے پیش کرتے ہیں۔ یعنی ہم اسے یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا علم اس کی لاعلمی کی تلافی کریگا اور مریض کی انا کو ایک بار پھر اپنی ذہنی زندگی کے کھوئے ہوئے علاقوں پر فرماں روائی حاصل کرنے میں مدد دے گا۔ یہ معاہدہ تحلیلی صورت حال کی بنیاد ہے۔

یہ قدم اٹھاتے ہی ہم ایک پہلی مایوسی سے دوچار ہوتے ہیں۔ یہ سعی انکاری کے خلاف ایک پہلی تنبیہہ بھی ہوتی ہے اگر مریض کو ہمارے مشترکہ کام میں ایک مفید مددگار بننا ہے تو چاہیے اس پر مخالف طاقتوں کا کتنا ہی دباؤ کیوں نہ ہو، اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں ایک

خاص درجے کی بار یکی اور حقیقت کے مطالبوں کی فہم کا کم از کم کچھ شائبہ جاتی ہو لیکن ایک نفسیاتی مریض کی انا سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ اس قسم کے معاہدے پر عمل در آمد نہیں کر سکتا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ایسا معاہدہ کرنا ہی اس کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ وہ بہت جلد ہمیں اور ہماری اس مدد کو جو ہم اسے خارجی دنیا کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑنے کے لیے پیش کرتے ہیں ٹھکرا دیگی۔ اس کو اب یہ خارجی دنیا بے معنی نظر آئیگی۔ اس طرح ہم یہ سبق حاصل کرتے ہیں کہ ہمیں نفسیاتی مریضوں Psychotics پر اپنا معالجاتی منصوبہ آزمانے کے خیال سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔ خواہ یہ دستبرداری ہمیشہ کے لیے ہو یا وقتی طور پر یعنی اس وقت تک کے لیے کہ ہم کوئی دوسری اسکیم جو اس مقصد کے لیے زیادہ موزوں ہو دریافت کر لیں۔

لیکن نفسیاتی مریضوں کا ایک اور طبقہ بھی ہے جو نفسیاتی اختلال میں مبتلا مریضوں سے بہت قریبی مشابہت رکھتا ہے۔ یہ شدید اعصابی اختلال (NEUROSIS) میں مبتلا لوگوں کی کثیر تعداد ہے۔ ان کی بیماری اور اس کے اسباب اور مریضانہ اصل رکھنے والی میکانکی اعصابی اختلال یکساں یا کم از کم بہت زیادہ مشابہہ ہونی چاہیے۔ تاہم ان کی انا زیادہ مزاحمت کرنے والی ثابت ہوئی ہے اور اس میں انتشار ابھی کم واقع ہوا ہے۔ ان میں سے اکثر اپنی تکالیف اور ان سے پیدا ہونے والی کوتاہیوں کے باوجود بہرحال اس قابل رہتے ہیں کہ حقیقی دنیا میں اپنی جگہ قائم رکھیں یہ ممکن ہے کہ یہ اعصابی مریض ہماری مدد قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کریں۔ ہم اپنی دلچسپی ان تک محدود رکھیں گے اور دیکھیں گے کہ ہم کس حد تک اور کن ذرائع سے ان کو صحتیاب کر سکتے ہیں۔

پس ہم اعصابی مریضوں سے اپنے معاہدے کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس بات کا معاہدہ کہ ایک جانب سے مکمل صاف گوئی اور دوسری جانب سے انتہائی رازداری سے کام لیا جائے گا۔ یہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم ایک دنیادار اعتراف گناہ سننے والے پادری کے منصب کے خواہاں ہیں۔ لیکن اس میں ایک بڑا فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم اپنے مریض سے جو کچھ سننا چاہتے ہیں وہ صرف وہی باتیں نہیں ہیں جو وہ خود جانتا ہے اور دوسروں سے چھپاتا ہے بلکہ اس میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جنہیں وہ خود نہیں جانتا۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم بڑی تفصیل کے ساتھ اسے یہ بتاتے ہیں کہ صاف گوئی سے ہمارا مطلب کیا ہے۔ ہم اس پر تحلیل کا بنیادی اصول عائد کرتے ہیں جو ہمارے ساتھ اس کے آیندہ رویے پر نافذ ہوگا۔ اس کے لیے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیں وہ سب کچھ بتادے جو وہ ارادتاً یا رضامندی کے ساتھ بتانا چاہتا ہے اور جس کے بتانے سے اسے اعتراف گناہ

کا ساسکون حاصل ہوگا بلکہ اس کے علاوہ ہر وہ بات بھی بتانا ضروری ہوگا جو مطالعۂ ذات سے اس کے سامنے آتی ہے یعنی ہر چند جو اس کے ذہن میں آتی ہے خواہ اس کا بتانا اس کے لیے کتنا ہی ناگوار ہو یا وہ غیر اہم اور صریحاً بے معنی نظر آتی ہو۔ اگر اس ہدایت کے بعد وہ اپنی تنقید ذات کو معطل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو وہ ہمیں مواد کا ایک وسیع ذخیرہ فراہم کرسکے گا یعنی افکار، تصورات اور یادیں جو ابھی تک لاشعور کے زیر اثر ہیں اور جو اکثر لاشعور سے براہ راست ماخوذ ہوتی ہیں اور اسی بناپر وہ ہمیں اس قابل بناتی ہیں کہ ہم احتباس زدہ لاشعور مواد کی ماہیت کے بارے میں قیاس آرائی کرسکیں اور اس معلومات کے ذریعے جو ہم اس کو فراہم کرتے ہیں اس کے لاشعور کے بارے میں اس کی انا کے علم کی توسیع کرسکیں۔

لیکن یہ خیال کرنا حقیقت سے بہت بعید ہوگا کہ اس کی انا اطاعت شعاری اور مجہولیت کے ساتھ اپنا یہ اول کردار ادا کرنے پر رضامند ہوگی کہ ہمیں مطلوبہ مواد فراہم کردے اور ہماری پیش کردہ تفسیر و ترجمے پر یقین کرے اسے قبول کرلے۔ درحقیقت اس سلسلے میں اس سے بہت مختلف حالات پیش آتے ہیں جن میں سے بعض کی پیش بینی شاید ہم کرسکتے ہوں لیکن بعض ہمیں لازماً حیرت زدہ کردیں گے۔ سب سے زیادہ قابل توجہ امر یہ ہے کہ مریض اس بات پر مطمئن نہیں ہوتا کہ وہ تحلیل کرنے والے کو حقیقت کی روشنی میں ایک مددگار یا مشیر کی حیثیت سے دیکھے۔ تحلیل کرنے والے کو اس کی خدمات کا معاوضہ بھی دیا جاتا ہے اور وہ خود بھی کچھ اس قسم کا رول ادا کرنے پر قانع ہوتا ہے جیسا کوہ پیمائی کی مہم میں مدد کرنے والے ایک پہاڑی راہبر (ALP IER) کا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس مریض اپنے تحلیلی معالج میں اپنے بچپن یا ماضی کی کسی اہم شخصیت کی بازگشت یا تجسیم دیکھتا ہے اس لیے اس کی طرف وہ جذبات اور ردعمل منتقل کردیتا ہے جو اس کے اصل معبود ذہنی (MO DEL) سے متعلق تھے۔ بہت جلد یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ انتقال کا یہ عمل ایک ایسا عنصر ہے جس کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ایک طرف تو یہ ایک بے بدل قدر و قیمت کا آلہ ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ سنگین خطرات کا باعث بن جاتا ہے۔ انتقال کا یہ عمل دورخا ______ (AMBIVALENT) ہوتا ہے اور تحلیل کرنے والے کی جانب مثبت اور محبت آمیز رویوں کے ساتھ ساتھ معاندانہ رویوں پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ عام طور پر تحلیل کرنے والے کو مریض اپنے والدین میں سے ایک کی جگہ دے دیتا ہے۔ یہ انتقال جس حد تک مثبت ہوتا ہے بہت خوش اسلوبی کے ساتھ ہماری مدد کرتا ہے۔ وہ پوری تحلیلی صورت حال کو بدل دیتا ہے۔ یہ مریض کے صحت مند ہونے اور

اپنی شکایات سے نجات حاصل کرنے کے معقول مقصد کو نظر انداز کر دیتا ہے اور اب وہاں اس کی جگہ تحلیل کرنے والے کو خوش کرنے اور اس کی تحسین حاصل کرنے کا مقصد ابھرنے لگتا ہے۔ یہ مریض کے تعاون کے لیے اصل قوت محرکہ کا کام دیتا ہے۔ کمزور انا قوت حاصل کر لیتی ہے اور اس مقصد کے زیر اثر مریض وہ کام بھی کر گزرتا ہے جو بصورت دیگر اس کی طاقت سے باہر ہوتے۔ اس کی علامات مرض غائب ہو جاتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحتیاب ہو گیا ہے۔ یہ سب کچھ تحلیل کرنے والے سے محبت کی بنا پر ہوتا ہے تحلیل کرنے والے کو شرمندگی کے ساتھ اپنے آپ سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس نے ایک مشکل کام کا آغاز کیا تھا اور اسے یہ گمان بھی نہ تھا کہ ایسی غیر معمولی قوتیں اس کے تصرف میں آجائیں گی۔

اس کے علاوہ منتقلی کا یہ تعلق اپنے ساتھ دو اور فائدے بھی لاتا ہے۔ اگر مریض تحلیل کرنے والے کو اپنے باپ (یا ماں) کی جگہ دیدیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ وہ اختیار بھی دیتا ہے جو اس کی فوق الانا کو اس کی انا پر حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جیسا ہمیں معلوم ہے اس کے والدین ہی اس کی فوق الانا کا سرچشمہ تھے۔ اب اس نئی فوق الانا کو اعصابی مریض کی ایک طرح کی تعلیم مابعد (AFTER EDUCATION) کا موقع ملتا ہے۔ یہ ان غلطیوں کی بھی اصلاح کر سکتی ہے جن کا الزام والدین کی تعلیم کے سر عائد ہوتا ہے۔ لیکن اس مرحلے پر اس نئے اثر کے غلط استعمال کے خلاف ایک تنبیہہ بھی ضروری ہے۔ تحلیل کرنے والے کے سامنے اس بات کی کتنی ہی شدید ترغیب کیوں نہ ہو کہ وہ ایک معلم، ایک مثالی نمونہ یا دوسروں کے لیے ایک نصب العین کی حیثیت اختیار کر لے یا ان کو اپنی تمثال (IMAGE) کے مطابق بنائے، اسے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ تحلیلی رابطے میں اس کا کام یہ نہیں ہے اور اگر اپنے میلانات کی راہنمائی قبول کرے گا تو اپنے اصل فرض سے بے وفائی کا مرتکب ہوگا۔ اس طرح وہ والدین ہی کی اس غلطی کا اعادہ کرے گا جب انہوں نے اپنے بچے کی آزادی کو کچل دیا تھا اور یوں وہ ایک طرح کے انحصار کو دوسرے میں تبدیل کر دے گا۔ مریض کی اصلاح حال اور تعلیم کی تمام کوششوں میں تحلیل کرنے والے کو مریض کی انفرادیت کا احترام کرنا چاہیے۔ اثر کی مقدار جو وہ جائز طور پر استعمال کر سکتا ہے اس نشو و نما کی بندش (INHIBITION) کے درجے سے متعین ہوتی ہے جو مریض میں موجود ہے۔ بہت سے اعصابی مریض ایسی بچگانہ حالت میں رہ جاتے ہیں کہ تحلیل کے دوران بھی ان کے ساتھ بچوں ہی کی طرح سلوک کیا جا سکتا ہے۔

اس انتقال کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں مریض ہمارے سامنے اپنی داستان

حیات کا ایک اہم پہلو تصویر کی سی وضاحت کے ساتھ پیش کر دیتا ہے۔ بصورت دیگر وہ غالباً ہمیں اس کا ایک غیر تسلی بخش بیان ہی دے سکتا تھا۔ یہ اس طرح ہوتا ہے گویا وہ ہمارے سامنے اس کا بیان دینے کی بجائے ایکٹنگ کے ذریعے پیش کر رہا ہے۔

اب ذرا اس سوال کے دوسرے پہلو پر بھی غور کیجیے۔ چونکہ یہ انتقال مریض کے اپنے والدین کے ساتھ تعلقات کو دوبارہ وجود میں لاتا ہے اس لیے وہ اس تعلق کے دو رخے پن (AMBIVALENCE) کو بھی اختیار کر لیتا ہے۔ یہ تقریباً ہمیشہ ہوتا ہے کہ کسی دن مریض کا تحلیل کرنے والے کے ساتھ مثبت رویہ دفعتاً منفی اور معاندانہ رویے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ بھی عموماً ماضی کا اعادہ ہی ہوتا ہے۔ اگر زیر بحث شخصیت باپ کی ہو تو باپ کے ساتھ اس کا اطاعت شعاری کا رویہ۔ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی جڑیں ایک شہوانی (EROTIC) خواہش میں پیوست ہوتی ہیں جس کا رُخ اس (باپ) کی جانب تھا کسی نہ کسی وقت یہ مطالبہ ابھر کر اس انتقال کے عمل میں بھی سطح پر آجائے گا اور اپنی تسکین پر اصرار کرے گا۔ لیکن تحلیلی صورت حال میں اسے لامحالہ ناکامی کا سامنا ہوگا۔ مریض اور تحلیل کرنے والے کے درمیان حقیقی جنسی تعلقات ممکن نہیں اور تسکین کے لطیف تر طریقوں مثلاً لطف و عنایات بے تکلفی وغیرہ کو بھی تحلیل کرنے والا بہت کمی کے ساتھ ہی روا رکھے گا۔ اس قسم کی توہین تذلیل مریض کے لیے تبدیلی کا ایک بہانہ بن جائے گی غالباً یہی صورت مریض کے بچپن میں پیش آئی ہوگی۔

مثبت انتقال کے زیر اثر جو معالجاتی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں ان کے متعلق یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ ایمائی (SUGGESTIVE) نوعیت کی ہیں۔ اگر منفی انتقال غالب آجائے وہ اس طرح اڑ جاتی ہیں جس طرح ہوا کے سامنے پانی کی پھوار۔ ہم ہیبت زدہ ہو کر یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری ساری زحمت اور محنت بے کار رہی۔ درحقیقت وہ چیزیں بھی جنہیں ہم نے مریض کا مستقل ذہنی فائدہ سمجھا تھا یعنی اس کی تحلیل نفسی کی فہم اور اس کے موثر ہونے پر اعتماد، دفعتاً غائب ہو جاتی ہیں وہ ایک ایسے بچے کی طرح عمل کرتا ہے جو خود کوئی قوت فیصلہ نہیں رکھتا بلکہ اس شخص پر کورانہ اعتبار کر لیتا ہے جس سے اسے محبت ہو۔ بدیہی طور پر انتقال کی ان حالتوں کا خطرہ اس امکان پر مشتمل ہے کہ مریض ان کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ان کو ماضی کا عکس سمجھنے کی بجائے تازہ حقیقی تجربات سمجھ لے مریض خواہ مرد ہو یا عورت اگر اسے مثبت انتقال کے پس پردہ ایک قوی شہوانی (EROTIC) خواہش چھپی ہوئی نظر آتی ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ والہانہ محبت میں مبتلا ہے۔ اگر انتقال کی نوعیت

بدل جاتی ہے تو اسے کو اپنی توہین کا یا نظر انداز کیے جانے کا احساس ہوتا ہے۔ وہ تحلیل کرنے والے کو ایک دشمن سمجھ کر نفرت کرنے لگتا ہے اور تحلیل علاج ترک کر دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں وہ اس معاہدے کو بھول جاتا ہے جو اس نے علاج کے آغاز میں کیا تھا اور مشترکہ کام جاری رکھنے کی اہلیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایسے ہر موقع پر تحلیل کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ مریض کو اس خطرناک فریب خیال سے نجات دلائے اور اس کو بار بار یہ بتائے کہ جس چیز کو وہ فنی حقیقی زندگی سمجھ رہا ہے وہ صرف ماضی کا ایک عکس ہے۔ مریض کو ایسی حالت میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لیے جہاں واقعات کی کوئی شہادت اس تک نہ پہنچ سکے تحلیل کرنے والا اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ محبت اور عناد دونوں انتہائی حد تک نہ بڑھنے پائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تحلیل کرنے والا مریض کو مناسب وقت پر ان امکانات سے قبل از وقت خبردار کر دیتا ہے اور ان کے اظہار کی اولین علامتوں کو نظر انداز نہیں کرتا۔ انتقال کے مسئلے سے احتیاط کیساتھ عہدہ برآ ہونا عموماً بہت اچھے نتائج پیدا کرتا ہے۔ اگر ہم دقوع انتقال کی اصل نوعیت کا یقین مریض کو دلانے میں کامیاب ہو جائیں اور عام طور پر ہم یہ بہ آسانی کر سکتے ہیں تو اس طرح ہم اس کی مزاحمت کے ہاتھوں سے ایک زبردست ہتھیار چھین سکتے ہیں اور خطرات کو فائدوں میں تبدیل کر سکتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انتقال کی صورت میں مریض جن تجربات سے گزرتا ہے وہ ان کو کبھی نہیں بھولتا۔ اس تجربے پر اس کا یقین ہر چیز سے زیادہ ہوتا ہے جو اسے دوسرے ذرائع سے حاصل ہو۔

اگر مریض تجربے کو یاد رکھنے کی بجائے عملاً اس کی گرفت سے باہر نکل جائے تو یہ ایک انتہائی ناپسندیدہ بات ہوگی۔ ہمارے مقصد کے اعتبار سے بہترین طرز عمل یہ ہوگا کہ علاج کے دائرے کے باہر اس کا طرز عمل ممکن حد تک نارمل رہے اور وہ اپنے ایبنارمل ردعمل کا اظہار صرف عمل انتقال کے دوران کرے۔

وہ طریقہ جس سے ہم مریض کی کمزور انا کو تقویت پہنچاتے ہیں اس کا نقطہ آغاز انا کی خود شناسی میں اضافہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سارا معاملہ یہیں تک محدود نہیں رہتا لیکن یہ پہلا قدم ہے۔ انا کے لیے اس علم سے محرومی قوت اور اثر سے دستبرداری کے مترادف ہے۔ یہ محرومی اس بات کی پہلی واضح علامت ہے کہ انا اڈ اور فوق الانا کے تقاضوں کے درمیان

دبی ہوئی اور رکاوٹوں کا شکار ہے اس طرح جو مدد ہم پیش کرتے ہیں وہ ہماری طرف ایک ذہنی عمل ہے جس میں ہم مریض کی شرکت کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔ ہم اس بات سے آگاہ ہیں کہ اس پر ابتدائی عمل کے ذریعے ایک دوسرے سے زیادہ مشکل مسئلے کے لیے راہ ہموار کرنا ضروری ہے۔ ہمیں اپنے ابتدائی کام کے دوران بھی مسئلے کے حرکی پہلو کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیے۔ ہمیں اپنا مواد مختلف وسائل سے حاصل ہوتا ہے یعنی ان وسائل سے جو ہمیں مریض کی فراہم کی ہوئی معاملات سے دستیاب ہوتے ہیں۔ اس کے آزاد ایتلافات کی مدد سے ان چیزوں سے جو وہ انتقال کے دوران ظاہر کرتا ہے۔ ان باتوں سے جو ہم اس کے خوابوں کی تعبیر سے اخذ کرتے ہیں اور ان چیزوں سے جو وہ نادانستہ طور پر اپنی غلطیوں اور لغزشوں Parapraxes سے ظاہر کرتا ہے۔ یہ تمام مواد ہمیں اس کام میں مدد دیتا ہے کہ ہم اس واردات کی تشکیل کریں جو اس پر گزری ہے اور اب فراموش ہو چکی ہے اور اس کے ساتھ ہی اس حالت کی تشکیل کریں جو اس پر گزر رہی ہے لیکن وہ اسے سمجھ نہیں سکتا۔ لیکن ان تمام چیزوں میں ہم اپنے علم اور مریض کے علم کے درمیان امتیاز کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ ہم اسے دفعتاً وہ باتیں بتانے سے احتراز کرتے ہیں جو ہم اکثر ابتدا ہی میں دریافت کر لیتے ہیں۔
اسی طرح ہم اسے تمام وہ باتیں بتانے سے احتراز کرتے ہیں جو اپنے خیال میں ہم دریافت کر چکے ہیں۔ ہم بڑی احتیاط کے ساتھ اس لمحے پر غور کرتے ہیں جب ہم اپنی معلومات یا اپنی تشکیل سے اسے آگاہ کریں گے۔ ہم ایک مناسب موقع کا انتظار کرتے ہیں اور اس کا فیصلہ کرنا ہمیشہ آسان نہیں ہوتا۔ عام طور پر ہم مریض کو اپنی تشکیل یا تشریح کے بارے میں بتانا اس وقت تک کے لیے ملتوی کرتے رہتے ہیں جب تک وہ خود اس سے اس قدر قریب نہ پہنچ جائے کہ صرف ایک قدم آگے بڑھنے کی ضرورت باقی ہو اگرچہ وہی ایک قدم فیصلہ کن ترکیب (SYNTHESIS) ہو۔ اگر ہم کسی دوسرے طریقے پر عمل کریں اور اس سے قبل کہ وہ ہماری تعبیرات قبول کرنے کیلئے تیار ہو اسے اپنی تعبیرات سے گرانبار کر دیں تو ہماری دی ہوئی معلومات یا تو کوئی اثر نہیں کریں گی یا مزاحمت کے ایسے شدید دورے کا باعث ہونگی جو ہمارے کام میں مزید پیش قدمی کو اور مشکل بنا دے گا یا ممکن ہے کہ اسے بالکل ختم کر دینے کا خطرہ پیدا کر دے۔ لیکن اگر ہم ہر چیز کے لیے مناسب تیاری کر چکے ہوں تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مریض ہماری تشکیل کی فوراً تائید کرتا ہے اور خود اس داخلی یا خارجی واقعے کو یاد کر لیتا جسے وہ بھول چکا تھا۔ یہ تشکیل جس

حد تک بھولی ہوئی چیزوں کی تفصیلات کے مطابق ہوگی اتنی ہی آسانی سے وہ اس کی تائید کرے گا
مزاحمت کے ذکر کے ساتھ ہم اپنے کام کے دوسرے اور زیادہ اہم حصے تک پہنچتے ہیں
ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ انا لاشعور اور احتباس (EXPRESSED) کے شکار اشیاء کے ناپسندیدہ
عناصر کی مداخلت کے خلاف اپنی حفاظت منفی وابستگیوں (ANTI-CATHEXES) کی مدد سے
کرتی ہے اور ان کا برقرار رہنا انا کے نارمل عمل کے لیے ضروری ہے۔ انا پر دباؤ کا احساس جتنا
شدید ہوتا ہے اتنی ہی بیتابی سے وہ ان منفی وابستگیوں Anti-Cathexes کے ساتھ
چمٹی رہتی ہے جیسے انتہائی خوف کی حالت میں ہو تاکہ جو کچھ بچ رہا ہے اسے مزید مداخلت سے
محفوظ رکھ سکے۔ لیکن اس طرح کے دفاعی رجحانات ہمارے علاج کے مقاصد سے ہم آہنگ
نہیں ہوتے اس کے برعکس ہم یہ چاہتے ہیں کہ انا ہماری مدد کے یقین سے ہمت حاصل کر کے
جارحانہ رویہ اختیار کرے تاکہ جو کچھ وہ کھو چکی اسے دوبارہ فتح کر لے اور اس مرحلے پر ہم ان
منفی وابستگیوں کی قوت سے آگاہی حاصل کرتے ہیں جو ہمارے کام میں مزاحمت کی صورت
میں ظاہر ہوتی ہے۔ انا ایسے کاموں سے جھجکتی ہے جو خطرناک معلوم ہوں یا جن سے ناخوشی
کا خطرہ لاحق ہو۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ ہمیں دغا نہ دے تو اسے مسلسل برانگیختہ کرنا اور
تسکین دینا ضروری ہے اس مزاحمت کو جو دوران علاج مسلسل قائم رہتی ہے اور ہر نئے کام
کے ساتھ اس کی تجدید ہوتی رہتی ہے مزاحمت احتباس (REPRESSION RESISTANCE)
کا نام دیا گیا ہے اگرچہ یہ نام درست نہیں معلوم ہوتا۔ ہم دیکھیں گے کہ یہی واحد مزاحمت
نہیں جس سے ہمیں سابقہ پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ اس صورت
حال میں مختلف فریقوں کی وفاداریاں بھی ایک اعتبار سے منقلب ہو جاتی ہیں۔ انا اب ہمارے
مقصد کے خلاف مزاحم ہوتی ہے جبکہ لاشعور جو عام حالات میں ہمارا حریف ہوتا ہے اب ہماری
مدد کو آتا ہے کیونکہ فطرتاً اس کے اندر ایک "اوپر کی طرف دباؤ" (UPWARD DEVICE) پایا
جاتا ہے اور اس کی سب سے بڑی طلب یہ ہوتی ہے کہ ممنوع حدود کے پار آگے بڑھ کر انا اور
شعور کے اندر داخل ہو جائے۔ اگر ہم اپنا مقصد حاصل کر لیں اور انا کو اپنی مزاحمت پر قابو پانے
پر آمادہ کر سکیں تو اب جو کشمکش نشوونما پاتی ہے وہ ہماری راہنمائی میں اور ہماری مدد سے جاری
رہتی ہے۔ اس کا نتیجہ ایک غیر اہم چیز ہے۔ نتیجہ خواہ یہ ہو کہ انا از سر نو جائزہ لے کر ایک جبلی
مطالبے کو جسے اب تک وہ مسترد کرتی رہی تھی قبول کر لے یا یہ ہو کہ اسے ایک بار پھر رد اور اس

بار قطعی طور پر رد کردے۔ دونوں میں ایک مستقل خطرے کا سدباب ہو جاتا ہے۔ ان کی حدود کی توسیع ہو جاتی ہے اور توانائی کا بیکار صرفہ غیر ضروری ہو جاتا ہے۔

مزاحمتوں پر قابو پانا ہمارے کام کا ایک ایسا حصہ ہے جو زیادہ سے زیادہ وقت اور محنت کا طالب ہے۔ یہ کام کرنے کا ہے کیونکہ یہ انا میں ایک فائدہ مند تبدیلی کا باعث ہونا، یہ تبدیلی قائم رہتی ہے خواہ انتقال (TRANSFERENCE) کے عمل کا نشہ کچھ بھی ہو اور اس کا اثر مریض کی زندگی بھر برقرار رہتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ہم اس سمت میں کام کرتے رہے ہیں کہ انا کی اس تبدیلی کو ختم کر دیں جو لاشعور کے اثر سے پیدا ہوئی تھی۔ کیونکہ ہم جب کبھی انا میں اس کے پیدا کردہ اثرات کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوئے ہیں ہم نے ان کی ناجائز اصل کی نشاندہی کی ہے اور انا کو مجبور کیا ہے کہ انھیں رد کردے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہمارے امداد کے معاہدے کی ایک بنیادی شرط یہ تھی کہ انا کی اسی طرح کی تبدیلیاں جو لاشعور کے عناصر کی وجہ سے وجود میں آئی ہوں ایک خاص حد سے تجاوز نہ کر چکی ہوں۔

ہمارا کام جتنا آگے بڑھتا ہے اور ہمارا اعصابی مریضوں کی ذہنی زندگی کا علم جتنی گہرائی میں پہنچتا ہے اسی حد تک وضاحت کے ساتھ دو نئے عوامل ہمیں اپنی جانب توجہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ مزاحمت کا منبع ہونے کی بنا پر یہ عوامل ہم سے گہری توجہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان دونوں کے بارے میں مریض کو کوئی علم نہیں ہوتا لیکن معاہدہ کرتے وقت ان دونوں میں سے کسی کا لحاظ نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ ان کی اصل مریض کی انا میں تھی۔ ان دونوں کو یکجا طور پر ایک بیان میں شامل کیا جا سکتا ہے اور انہیں "بیمار ہونے کی ضرورت" یا تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ دونوں دوسرے اعتبارات سے ایک ہی نوعیت رکھتے ہیں لیکن ان کی اصلیں مختلف ہیں۔ ان میں سے پہلے عامل کو "احساس جرم" یا "شعور جرم" کا نام دیا جاتا ہے اگرچہ یہ نام اس حقیقت کو نظر انداز کرتا ہے کہ خود مریض کو اس کا احساس یا شعور نہیں ہوتا۔ یہ بدیہی طور پر اس مزاحمت کا حصہ ہے جو ایک ایسی فوق الانا کی دین ہے جو حد سے زیادہ متشدد اور بے رحم بن چکی ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ مریض کو صحتمند نہیں ہونا چاہیے۔ اسے بیمار رہنا چاہیے کیونکہ وہ اسی کا مستحق ہے۔ یہ مزاحمت حقیقتاً ہمارے ذہنی عمل میں خلل انداز نہیں ہوتی لیکن اسے بے اثر بنا دیتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ اکثر ہمیں ایک طرح کی اعصابی تکلیف دور کرنے کی اجازت بھی دیتی

ہے لیکن فوراً ہی اس کی جگہ دوسری تکلیف پیدا کر دیتی ہے یا کبھی اس کی جگہ کسی عضوی بیماری organic-illness کو دے دیتی ہے۔ یہ احساس جرم ہمیں شدید اعصابی اختلال صحتیابی یا اصلاح حال کی ایک توجیہ فراہم کرتا ہے جو کبھی کبھی واقعی حادثات کے بعد ہمارے مشاہدے میں آتی ہیں۔ گویا اہم بات یہ ہے کہ مریض تکلیف میں مبتلا ہے اور اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ وہ تکلیف کس نوعیت کی ہو۔ یہ لوگ اپنی شدید بدقسمتی کو برداشت کرنے میں جس صبر و قناعت کا اظہار کرتے ہیں ....

وہ بہت زیادہ قابل توجہ بھی ہے اور بہت زیادہ بصیرت افروز بھی۔ اس مزاحمت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہم اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ اپنی کوشش اس مزاحمت کو شعوری بنانے تک محدود رکھیں اور معاند فوق الانا کو بتدریج منہدم کرنے کی کوشش کریں۔

مزاحمت کی ایک اور صورت کے وجود کا ثبوت فراہم کرنا اس قدر آسان نہیں ہوتا اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمارے وسائل بھی خاص طور پر ناکافی ہیں۔ بعض اعصابی مریض ایسے ہوتے ہیں کہ جس حد تک ان کے ردعمل سے اندازہ ہو سکتا ہے ان کے تحفظ ذات کا رُخ بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی ذات کو نقصان پہنچائیں یا خود کو ہلاک کر دیں۔ یہ ممکن ہے کہ جو لوگ انجام کار واقعی خودکشی کر لیتے ہیں اسی طبقے میں شامل ہوں۔ ان کے بارے میں یہ فرض کرنا پڑتا ہے کہ ان میں جبلت کا دور رس انتشار پیدا ہو چکا ہے جس کے نتیجے میں تخریبی جبلتوں کی غیر معمولی مقدار آزاد ہو چکی جس کا رخ اندر کی جانب ہے۔ ایسے مریض ہمارے علاج سے صحتیاب ہونے کے امکان کو بھی گوارا نہیں کر سکتے اور پوری طاقت کے ساتھ اس کے خلاف نبرد آزما رہتے ہیں لیکن ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ ایسی صورتیں ہیں جن کی توجیہہ کرنے میں ہم مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکے۔

آیئے اب پھر ایک بار اس صورت حال پر نظر ڈالیں جس تک اعصابی مریض کی اختلال کی شکار انا کو مدد دینے کی کوشش میں ہم پہنچے ہیں۔ انا اب اس قابل نہیں رہی کہ ان فرائض کو انجام دے سکے جو خارجی دنیا نے اس کے ذمے عاید کیے ہیں۔ اس خارجی دنیا میں انسانی معاشرہ بھی شامل ہے۔ اس کو اپنے تمام تجربات تک رسائی بھی حاصل نہیں اور اس کی یادوں کے ذخائر کا بڑا حصہ بھی اس کی دسترس سے باہر جا چکا ہے اس کا عمل فوق الانا کی سخت

مانعتوں کے باعث بندش کا شکار ہو چکا ہے اور اس کی قوت اڈ کے مطالبات کے خلاف مدافعت کی ناکام کوششوں میں ضائع ہوتی ہے۔ اس کے ماسوا اڈ کی مسلسل مداخلت کے نتیجے میں اس کی انا بھی مجروح ہو جاتی ہے۔ وہ اندرونی طور پر بکھر جاتی ہے اور کسی مناسب ترکیب کی اہل نہیں رہتی وہ باہم متصادم تحریکوں غیر تسکین یافتہ کشمکشوں اور لاینحل شکوک کی بدولت پارہ پارہ ہو کر رہ جاتی ہے سب سے پہلے ہم مریض کی اس کمزور انا کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ تعبیر تفسیر کے خالص عقلی عمل میں شریک ہو جائے۔ اس عمل کا مقصد اس کے ذہنی وسائل کے خلاؤں کو عارضی طور پر پُر کرنا اور فوق الانا کے اختیار کو ہماری طرف منتقل کر دینا ہے۔ ہم انا کو یہ تحریک فراہم کرتے ہیں کہ وہ اڈ کے ہر ایک مطالبے کے خلاف جدوجہد شروع کرے اور ان مزاحمتوں کو شکست دیدے جو ان... مطالبوں کے سلسلے میں ابھری ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم مواد اور ان تحریکوں کا سراغ لگا کر جو لاشعور سے نکل کر اس کی انا میں داخل ہو چکی ہیں اور ان کو تنقید کا ہدف بنا کر ان کی اصل تک ان کا تعاقب کرتے ہیں اور اس طرح انا میں دوبارہ نظم و ترتیب قائم کر دیتے ہیں۔ ہم مختلف اعمال میں ایک با اختیار (AUTHORITY) شخصیت کی حیثیت سے مریض کے والدین، معلمین اور تربیت دینے والوں کا بدل بن کر اس کی مدد کرتے ہیں۔ اگر ہم تحلیل کرنے والے کی حیثیت سے اس کی انا میں ذہنی اعمال کو نارمل سطح تک لانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس مواد کو جو احتباس کا شکار ہو کر لاشعوری بن چکا تھا قبل شعوری مواد میں تبدیل کر دیتے ہیں اور اس طرح اسے پھر ایک بار انا کے قبضے میں لوٹا دیتے ہیں تو (ہم یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ) ہم نے مریض کی بہترین خدمت انجام دی ہے۔ مریض کی طرف سے کچھ عقلی عوامل ہمارے حق میں عمل کرتے ہیں جیسے صحتیاب ہو جانے کی ضرورت جو اس کی تکالیف سے پیدا ہوتی ہے اور تحلیل نفسی کے نظریات اور انکشافات کے بارے میں اس کی ذہنی دلچسپی جو ہم اس میں بیدار کر دیتے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ قوی وہ مثبت عمل انتقال ہے جو وہ ہمارے ساتھ اختیار کرتا ہے۔ اس کے برعکس ہمارے خلاف کچھ رجحانات نبرد آزما بھی ہوتے ہیں مثلاً منفی انتقال، انا کی مزاحمت احتباس (REPRESSIDN RESISTANCE) یعنی وہ 'ناخوشی' جو انا اپنے اوپر عائد سخت محنت کو قبول کرنے میں محسوس کرتی ہے، یا وہ احساس جرم جو اس کے فوق الانا کے ساتھ تعلقات سے پیدا ہوتا ہے

اور بیمار ہونے کی ضرورت جو اس کی جبلتوں کی اقتصادی تنظیم ([redacted]INCTUAL ECONOMY)
میں گہری ترمیموں سے پیدا ہوتی ہے۔ بیماری کی کسی مثال کو شدید یا ہلکا سمجھنا اس بات پر
منحصر ہوتا ہے کہ موخرالذکر دو عوامل (یعنی احساس جرم اور بیمار ہونے کی ضرورت) کا اس میں
کیا حصہ ہے۔ ان کے علاوہ چند اور عوامل کا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے جن کے اثرات تحلیلی علاج
میں سازگار یا ناسازگار ثابت ہوسکتے ہیں۔ ایک خاص نوع کا نفسیاتی جمود (INERTIA)
لبیڈو کی سست عملی (SLUGGISHNESS) جو اپنی ترکیز (FIXATION) کو ترک کرنے پر
آمادہ نہیں ہوتی، یہ چیزیں ہمارے لیے کسی اعتبار سے پسندیدہ نہیں علاج میں مریض کی
اپنی جبلتوں کے ارتفاع *Sublimation* کی صلاحیت کا حصہ بھی بہت اہم ہے اور
ہیجابات اس کی اس صلاحیت پر صادق آتی ہے جو اسے جبلتوں کی غیر منظم اور بھونڈی زندگی
سے بلند ہونے میں مدد دیتی ہے اور اس کے ذہنی اعمال کی اضافی قوت کے بارے میں بھی۔
اس سلسلے میں ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ ہم جس جدوجہد میں مصروف ہیں اس کے انجام
کا انحصار مقداری تعلقات پر ہے یعنی قوت کی اس مقدار پر ہے جس کو ہم مریض کے اندر اپنی
موافقت میں ان قوتوں کے مقابل حرکت میں لاسکتے ہیں جو ہمارے خلاف کام کر رہی ہیں۔
یہاں ایک بار پھر یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ جنگ میں کامیابی زیادہ بڑی اور منظم
طاقت ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ درست ہے کہ ہم ہمیشہ یہ جنگ جیتنے میں کامیاب نہیں
ہوتے لیکن کم سے کم اتنا تو دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کامیاب کیوں نہیں ہوسکے۔ شاید اس اعتراف
کے بعد وہ لوگ جو ہمارے اس بیان کا محض طریق معالجہ سے دلچسپی (THERAPEUTIC
INTEREST) کی بنا پر مطالعہ کرتے رہے ہیں حقارت کے ساتھ منہ پھیر لیں گے۔ لیکن یہاں
ہمیں طریق معالجہ سے صرف اس حد تک سروکار ہے جس حد تک اس میں نفسیاتی طریق کار
سے کام لیا جاتا ہے اور فی الحال اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور طریقہ نہیں۔ ممکن ہے
کہ مستقبل میں ہم مخصوص کیمیائی مادوں کی مدد سے توانائی کی مقداروں اور ذہنی آلے میں
ان کی تقسیم پر براہ راست اثر ڈال سکیں۔ ممکن ہے کہ طریق معالجہ کے اور بھی امکانات ہوں
جن کا ابھی تک تصور بھی نہیں کیا جاسکا ہے۔ لیکن اس وقت تحلیل نفسی کے طریقے سے بہتر
کوئی اور چیز ہماری دسترس میں نہیں ہے اور اسی لیے اس کی حدود کے باوجود اسے حقارت
کی نظر سے نہیں دیکھا جاسکتا۔

باب 7

نفسیاتی تحلیل کے کام۔ ایک مثال

اب ہم نے آلۂ نفس کا ایک تصور قائم کر لیا ہے۔ ہم نے اس کے اجزاء، اعضا اور عوامل جن پر یہ مشتمل ہے، وہ قوتیں جو اس میں کار فرما ہیں اور وہ کام جو اس کے مختلف اجزا انجام دیتے ہیں ان سب چیزوں کا بھی ایک تصور قائم کر لیا ہے۔ اعصابی اور نفسیاتی اختلال ایسی حالتیں ہیں جن میں اس آلے کے اعمال میں خلل ظاہر ہوتا ہے۔ ہم نے اعصابی اختلال کو اپنے مطالعے کے موضوع کی حیثیت سے منتخب کیا ہے کیونکہ یہی حالت ہمارے مطالعے کے نفسیاتی طریق کار کے لیے قابل رسائی معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم ان حالتوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم ایسے مشاہدات بھی جمع کرتے ہیں جو ہمیں ان کی اصل اور ان کے وجود میں آنے کے طریقوں کا ایک تصور دیتے ہیں۔

تفصیلات میں جانے سے پہلے ہی ہمیں اپنے ایک اہم خاص نتیجے کو دوبارہ بیان کرنے کی اجازت دیجیے اعصابی امراض دوسرے مثلاً متعدی امراض کے برعکس کوئی مخصوص تعینی سبب Specific Determinant نہیں رکھتے۔ ان میں کسی مرض آفریں عامل کی تلاش بے سود ہوگی۔ وہ عبوری مدارج Transitional steps کے ایک سلسلے کے ذریعے اس حالت سے مل جاتے ہیں جسے ہم نارمل کہتے ہیں اور دوسری جانب ان حالتوں میں جنھیں عام طور پر نارمل تسلیم کیا جاتا ہے ایسی کوئی حالت بہ مشکل مل سکے گی جس میں اعصابی اختلال کی خصوصیت کا ثبوت فراہم کرنا ممکن نہ ہو۔ اعصابی امراض میں مبتلا اشخاص بھی تقریباً وہی خلقی افتاد طبع Innate Disposition رکھتے ہیں جو دوسرے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں اتنی بدتر حالت میں اور اتنی مشکل سے زندگی کیوں بسر کرتے ہیں اور زندہ رہنے کے عمل میں اتنی ناخوشی تشویش اور الم میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں۔

ہمیں اس سوال کا جواب پانے کے لیے سرگرداں ہونے کی ضرورت نہیں۔ اعصابی مریض کی نااہلی ۔۔۔ Inadequacy اور تکالیف کی ذمہ داری بھی مقداری فقدان ہم آہنگی پر ڈالی جاسکتی ہے انسان کی ذہنی زندگی کی مختلف صورتوں کے کارگر اسباب موروثی افتاد طبع اور حادثاتی تجربات کے باہمی عمل ورد عمل میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ اس طرح یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی ایک خاص جبلت خلقی حد سے زیادہ قوی یا ضعیف ہو یا کوئی ایک خاص صلاحیت زندگی میں کافی حد تک نشوونما نہ پاسکے یا اس کی نشوونما رک گئی ہو ۔۔۔۔۔ یا دوسری طرف یہ ہوسکتا ہے کہ خارجی تاثرات اور تجربات کے مطالبات ایک فرد پر دوسرے سے زیادہ سخت ہوں۔ ممکن ہے جس کام سے ایک شخص کا نظام جسمانی بآسانی عہدہ برآ ہوسکتا ہے وہ دوسرے کے لیے ایک ناقابل برداشت کام ثابت ہو۔ یہی مقداری اختلافات نتائج کے تنوع کا تعین کرتے ہیں۔

لیکن جلد ہی یہ محسوس کرلیا جائے گا کہ یہ توضیح تشفی بخش نہیں ہے۔ یہ بہت زیادہ عام ہے اور بہت زیادہ چیزوں کی وضاحت کرتی ہے۔ یہ نظریہ علت Achology جو پیش کیا گیا ہے ذہنی اختلال تکلیف یا ناکارگی کی ہر صورت پر منطبق ہوسکتا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر حالت کو اعصابی اختلال کی حالت نہیں کہا جاسکتا۔ اعصابی اختلال کی مخصوص کیفیتیں ہوتی ہیں وہ خاص نوعیت کی تکالیف ہوتی ہیں۔ اس لیے بہرحال ہمیں یہ توقع رکھنی چاہیے کہ ان کے مخصوص اسباب بھی ہوں گے یا ہم یہ فرض کرسکتے ہیں کہ جن فرائض سے ذہنی زندگی کو عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے ان میں سے بعض ایسے ہیں جن میں اس کی ناکامی خاص طور پر آسان ہوتی ہے۔ اس بنا پر اعصابی اختلال کے مظاہر جو اکثر اتنے زیادہ قابل توجہ ہوتے ہیں اسی حقیقت کا نتیجہ ہوسکتے ہیں۔ اس صورت میں ہمیں اپنے پہلے بیانات واپس لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اگر یہ بات صحیح ہے کہ اعصابی اختلال کی صورتیں بنیادی حیثیت سے نارمل صورتوں سے مختلف نہیں ہیں تو ان کے مطالعے سے ہم نارمل کے بارے میں اپنے علم میں کارآمد اضافے کی توقع وابستہ کرسکتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اس طرح ہم ایک نارمل ذہنی تنظیم میں کمزور پہلو دریافت کرسکیں۔

ہمارے اس مفروضے کو ہم نے ابھی پیش کیا ہے تائید مل سکتی ہے۔ تحلیلی تجربے نے ہمیں بتایا ہے کہ درحقیقت ایک جبلی مطالبہ ایسا ہے جس سے نمٹنے کی کوشش عموماً ناکام ہوجاتی

ہے نا صرف جزوی طور پر کامیاب ہوتی ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ زندگی کا ایک دَور ایسا ہے جو اعصابی اختلال کی اصل کے سلسلے میں منفرد طور پر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یا غالب طور پر زیر غور آتا ہے۔ ان دونوں عوامل یعنی جبلت کی نوعیت اور زندگی کے اس خاص دَور کو علاحدہ بیان کرنا ضروری ہے اگرچہ یہ اکثر باہم متعلق ہوتے ہیں۔

زندگی کا خاص دَور جو رول (کردار) ادا کرتا ہے اس کے بارے میں ہم خاصے یقین کے ساتھ بات کر سکتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اعصابی بیماریاں بچپن کے ابتدائی دَور میں چھ سال کی عمر تک پیدا ہوتی ہیں اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ان کے آثار کافی عرصے تک ظاہر نہ ہوں ممکن ہے کہ بچپن کا اعصابی اختلال تھوڑے عرصے کے لیے ظاہر ہوا ہو یا اس پر کافی توجہ نہ دی گئی ہو۔ بعد کی اعصابی بیماریوں کی ہر مثال میں بچپن کا یہ ابتدائی تجربہ نقطۂ آغاز بن جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ جن چیزوں کو صدماتی اختلالِ اعصاب (TRAUMATIC NEUROSES) کہا جاتا ہے جو شدید دہشت سخت جسمانی صدمے (مثلاً ریل گاڑی کے حادثے یا دھماکے سے) پیدا ہوتی ہیں، وہ مستثنیات ہوں۔ طفلانہ عوامل کے ساتھ ان کے تعلق کی ابھی تک تفتیش نہیں کی جا سکی۔ ہم بچپن کے اس اولین دَور کو ترجیح دینے کی بہ آسانی توجیہہ کر سکتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اعصابی امراض انا کا اختلال ہوتے ہیں۔ جس زمانے میں انا کمزور اور ناپختہ ہوتی ہے اور مزاحمت کے قابل نہیں ہوتی اگر وہ اس زمانے میں ان مسائل سے عہدہ برآ ہونے میں ناکام رہے جن سے وہ بعد میں بآسانی نمٹ سکتی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اندر سے ابھرنے والے جبلی مطالبے بھی صدمات *Trauma* کی طرح عمل کرتے ہیں جس طرح خارجی دنیا سے آنے والی تحریکات عمل کرتی ہیں خاص طور پر ان صورتوں میں جب بعض طبعی رجحانات آگے بڑھ کر ان سے مل جائیں۔ بے بس انا فرار کی کوشش کر کے (احتباس کے عمل کے ذریعے) ان کے خلاف مدافعت کرتی ہے جو بعد میں بے اثر ثابت ہوتی ہے۔ اور جو آئندہ نشوونما کی راہ میں مستقل رکاوٹ بن جاتی ہے یہ ممکن ہے کہ انا کو اپنے ابتدائی تجربات سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ غیر مناسب حد تک زیادہ معلوم ہو۔ اس کی مثال کے لیے ہم اس فرق کی جانب اشارہ کر سکتے ہیں جو جرثومی خلیات (GARM CELLS) پر انقطاع کے عمل (SEGMENTATION) کے دوران ایک سوئی چبھونے سے پیدا ہو سکتا ہے (مثلاً رَدکس کے تجربے میں) اور بعد میں

یہی اثر پورے ذی حیات وجود پر جو ان جراثیم سے نشو و نما پا کر بر آمد ہوتا ہے۔ یہی اثرات نمایاں ہو سکتے ہیں۔ ان صدماتی (TRANMATIC) تجربات سے کوئی انسان بچ نہیں سکتا۔ اور کوئی شخص ان احتباسات سے بھی نہیں بچ سکتا جو ان سے پیدا ہوتے ہیں۔ انا کی جانب سے یہ خطرناک ردعمل شاید ایک اور مقصد کے حصول کے لیے ناگزیر ہو جو زندگی کے اسی دور سے متعلق ہوتا ہے۔ یہ ننھا سا وجود جو ابھی نشو و نما کی اولین منزل میں ہے چند سال کے اندر بڑھ کر ایک مہذب انسان بن جائے گا۔ اس کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ انسانی تمدنی ارتقا کے ایک طویل سفر سے ایک ناقابل یقین حد تک مختصر زمانے میں گزرے۔ یہ بات موروثی افتادِ طبع کی وجہ سے ممکن ہوتی ہے۔ لیکن اس کا حاصل ہونا اضافی امداد کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ مدد تعلیم کی ہو سکتی ہے، یا والدین کے اثر کی جو فوق الانا کے پیشرو کی حیثیت سے انا کے عمل کو ممانعتوں اور سزاؤں کے ذریعے محدود کر دیتا ہے اور احتباسات کے قیام میں مدد دیتا ہے یا انہیں لازمی بنا دیتا ہے۔ اس لیے اعصابی اختلال کے اسباب کے تعین (DETERMINANTS) میں ہمیں تہذیب کے اثرات کو شامل کرنا فراموش نہیں کرنا چاہیے ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ ایک غیر متمدن انسان کے لیے تندرست رہنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ ایک متمدن آدمی کے لیے یہ کام بہت مشکل ہے۔ ایک قوی اور احتباس سے آزاد انا کی خواہش ہمیں قابل فہم معلوم ہوتی ہے لیکن جیسا اس زمانے سے ظاہر ہوتا ہے جس میں ہم رہ رہے ہیں، یہ خواہش عمیق ترین مفہوم میں تہذیب کے منافی ہے اور چونکہ گھریلو تعلیم تہذیب کے مطالبات کی نمائندگی کرتی ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اعصابی اختلال کی علیات (AETIOLOGY) میں نوعِ انسانی کی حیاتیاتی خصوصیت کو بھی ایک مقام حاصل ہے۔ یعنی اس کے بچپن کے دوسروں پر انحصار کا طویل عرصہ۔

جہاں تک دوسرے نکتے یعنی مخصوص جبلی عامل کا تعلق ہے ہم نظریے اور تجربے کے درمیان ایک دلچسپ عدم مطابقت (DISCREPENCY) سے دوچار ہوتے ہیں۔ نظری اعتبار سے یہ فرض کرنے پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ کسی قسم کا جبلی مطالبہ اس طرح کے احتباس اور اس کے نتائج کا سبب بن سکتا ہے۔ لیکن ہمارا مشاہدہ ہمیں ہمیشہ یہ بتاتا ہے کہ جہاں تک ہم اندازہ کر سکتے ہیں وہ تحریک جو یہ مرض آفریں (PATHOGENIC) اثر پیدا کرتی ہے جنسی زندگی میں شامل جبلتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعصابی

اختلال کی علامات بلا استثنا کسی جنسی تحریک کی متبادل تسکین یا اس تسکین کو رد کرنے کی تدابیر پر مشتمل ہوتی ہیں اور عام طور پر ان دونوں رجحانات کے درمیان سمجھوتے کی صورتیں ہوتی ہیں جو لاشعور میں متضاد رجحانات پر نافذ قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ ہمارے نظریے کا یہ خلا فی الحال پُر نہیں ہو سکتا۔ اور ہمارے لیے فیصلہ کرنا اس لیے اور مشکل ہو جاتا ہے کہ جنسی زندگی کی اکثر تحریکات ہمیشہ خالصتاً شہوانی (EROTIC) نوعیت کی نہیں ہوتیں بلکہ شہوانی اور تخریبی جبلتوں کے اجزا کی آمیزش سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ جبلتیں جو جسمانی طور پر جنسیت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں، اعصابی امراض کی تعلیل (CAUSATION) میں ان کا بہت نمایاں اور غیر متوقع طور پر وسیع حصہ ہوتا ہے۔ ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ آیا یہ حصہ مانع بھی ہے یا نہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ تمدنی نشوونما کے دوران کسی اور عمل کو اس شدت کے ساتھ اور اتنے وسیع پیمانے پر رد نہیں کیا گیا جتنا معین طور پر جنسی عمل کو رد کیا گیا ہے۔ ہمارے نظریے کو ان چند اشارات (HINTS) پر قانع ہو جانا پڑتا ہے جو ایک عمیق تر تعلق کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مثلاً یہ حقیقت کہ بچپن کا یہی ابتدائی دور جس میں انا اڈ سے ممیز ہونے لگتی ہے جنسیت کی اولین بار آوری (FIRST EFFLORESCENCE) کا زمانہ بھی ہے جو جنس کی خوابیدگی (LATENCY) کے وقفے پر ختم ہوتا ہے اور یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہو سکتی کہ یہ اہم ابتدائی زمانہ بعد میں بچپن کی فراموش کاری (INFANTILE AMNESIA) کا شکار ہو جاتا ہے اور آخر میں جنسی زندگی کی وہ حیاتیاتی ترمیم (جیسے اس کا دو دوروں پر مشتمل (DIPHASE) حملہ جس کا ہم ابھی حوالہ دے چکے ہیں اور جنسی برانگیختگی کی میعادی (PERIODIC) نوعیت کا غائب ہو جانا اور عورت کے ایام ماہواری اور مرد کی جنسی برانگیختگی کے تعلق میں تبدیلی) جنسیت میں ان تمام نئی تبدیلیوں کو حیوانوں کے مقابلے میں انسانوں کے ارتقا میں بہت اہمیت حاصل رہی ہوگی۔ یہ کام مستقبل کی سائنس کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے کہ اس تمام متفرق مواد اور شہادتوں کو یکجا کر کے ایک نئی تفہیم عطا کرے۔ اس خلا کی ذمہ داری نفسیات پر نہیں بلکہ حیاتیات پر عائد ہوتی ہے۔ شاید ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ انا کی تنظیم کا کمزور پہلو جنسی عمل کے بارے میں اس کے رویے میں مضمر ہے گویا اس میں تحفظ ذات اور تحفظ نوع کے حیاتیاتی مخالف کو نفسیاتی اظہار میسر آگیا ہو۔

چونکہ تحلیلی تجربے نے ہمیں اس بیان کی مکمل صداقت کا یقین دلا دیا ہے کہ نفسیاتی اعتبار سے "بچہ انسان کا باپ ہے" اور اس کے ابتدائی سالوں کے واقعات بعد کی ساری زندگی کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اس لیے اگر ایسی کوئی چیز ہو جسے بچپن کے اس دَور کا مرکزی تجربہ قرار دیا جا سکے تو ہمیں اس میں خاص دلچسپی لینا چاہیے۔ ہماری توجہ سب سے پہلے بعض مخصوص اثرات کے نتائج کی جانب مبذول ہوتی ہو اگرچہ خاصے عام ہیں لیکن سب بچوں پر منطبق نہیں ہوتے۔ مثلاً بالغ لوگوں کے ہاتھوں بچوں کا جنسی کج روی کا شکار ہونا یعنی (ABUSE BY ADULTS) یا ان کا دوسرے بچوں (مثلاً بھائیوں یا بہنوں) کے ہاتھوں گمراہ کیا جانا (SEDUCTION) جو عمر میں ان سے کسی قدر بڑے ہوں۔ یا غیر متوقع طور پر بالغوں (خصوصاً اپنے والدین) کے درمیان جنسی عمل کو دیکھنے یا سننے کے تاثرات جو اکثر اس دَور میں پیدا ہوتے ہیں جب کوئی یہ خیال بھی نہیں کرتا کہ بچے ایسے تاثرات میں دلچسپی لے سکیں گے یا انہیں سمجھ سکیں گے یا انہیں بعد میں یاد رکھ سکیں گے۔ اس بات کا مشاہدہ بہت آسان ہے کہ بچے کے احساسات ایسے تجربات سے کس حد تک مشتعل ہو سکتے ہیں اور کس طرح اس کی اپنی جنسی تحریکات ایسی راہوں پر جبراً ڈالے جا سکتے ہیں جنہیں وہ آگے چل کر ترک نہیں کر سکتا۔ چونکہ یہ تاثرات احتباس کا شکار ہو جاتے ہیں اس لیے یا تو فوراً بعد یا جیسے ہی یادوں کی صورت میں ان کا اعادہ ہوتا ہے وہ ایک اعصابی اختلال کی جبری حالت کے لازمی اولین شرط بن جاتے جو آگے چل کر انا کے لیے جنسی عمل پر قابو رکھنا ناممکن بنا دیگی اور غالباً اس کے جنسی عمل سے مستقل طور پر روگردانی کا سبب بن جائیگی اور اعصابی اختلال مؤخرالذکر صورت کا نتیجہ ہوگا۔ اگر یہ موجود نہ ہو تو مختلف قسم کی کجرویاں (PERVERSIONS) ظاہر ہوں گی یا پھر یہ جنسی عمل جو نہ صرف توالد و تناسل کے لیے بلکہ پوری زندگی کی تشکیل کے لیے بے حد ضروری ہے مکمل طور پر قابو سے باہر ہو جائے گا۔

ایسی مثالیں خواہ کتنی ہی سبق آموز کیوں نہ ہوں، ہماری دلچسپی ایک ایسی صورت حال کے اثر پر اور زیادہ مرکوز ہوگی جس سے گزرنا ہر بچے کا مقدر ہے اور جو لازماً بچے کے طویل زمانہ انحصار (DEPENDENCE) اور والدین کے ساتھ اس کی زندگی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ میں یہاں ایڈی پس گرہ (OEDIPUL COMPLEX) کا ذکر کر رہا ہوں جسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کا بنیادی مواد (SUBSTANCE) بادشاہ ایڈی پس (OEDIPUS) کی یونانی اساطیر

حکایت میں ملتا ہے جو خوش قسمتی سے ہمارے لیے ایک عظیم تمثیل نگاری کی ایک تصنیف میں محفوظ ہے۔ یونانی ہیرو نے اپنے باپ کو قتل کر دیا تھا اور اپنی ماں کے ساتھ شادی کر لی تھی یہ بات کہ اس نے یہ کام لاعلمی میں کئے تھے کیونکہ وہ انہیں اپنے والدین کی حیثیت سے نہیں پہچانتا تھا تحلیلی موضوع سے ایک انحراف کی حیثیت رکھتی ہے جو بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے اور درحقیقت ناگزیر ہے۔

اس مرحلے پر ہمارے لیے لڑکوں اور لڑکیوں (یا مردوں اور عورتوں) کی نشوونما کا علاحدہ تفصیلی بیان ضروری ہے کیونکہ اب دونوں جنسوں کے مابین فرق کا پہلی بار نفسیاتی اظہار ہوتا ہے یہاں ہمیں جنسوں کی ثنویت (DUALITY) کی حیاتیاتی حقیقت کے عظیم معمے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جہاں تک ہمارے علم کی رسائی ہے یہ فرق قطعی احتمی ——— ultimate ہے اور کسی دوسری چیز تک اس کے اسباب کا (TRACE) کرنے کی ہر کوشش اس کی مدافعت کے سامنے ناکام ہو جاتی ہے۔ تحلیل نفسی نے اس مسئلے کو حل کرنے میں کوئی حصہ نہیں لیا جو واضح طور پر کلیتاً حیاتیات کے دائرے میں آتا ہے۔ ذہنی زندگی میں ہمیں اس عظیم تضاد کے محض عکس ملتے ہیں اور ایک حقیقت کی وجہ سے جس کا گمان طویل عرصے سے موجود رہا ہے۔ ان کی تعبیر اور زیادہ مشکل ہو جاتی ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی فرد صرف ایک جنس کے ردعمل کے طریقوں کا پابند نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اپنے اندر مخالف جنس کے ردعمل کے لیے کچھ گنجائش پاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے اس کے جسم میں ایک جنس کے مکمل طور پر نشوونما یافتہ اعضا کے ساتھ دوسری جنس کے سکڑے ہوئے (STUNTED) اور اکثر بیکار اعضا کی بالکل ابتدائی شکلیں پائی جاتی ہیں۔ ذہنی زندگی میں نر اور مادہ میں امتیاز کرنے کی غرض سے ہم ایک مساوات پر زور دیتے ہیں جو واضح طور پر ناکافی، تجربی اور رسمی ہے ہم ہر اس چیز کو جو قوی اور فعال ہے مردانہ کہتے ہیں اور ہر چیز کو جو کمزور ہے اور انفعالیت (PASSIVE) کی حامل ہے زنانہ کہہ دیتے ہیں۔ نفسیاتی ذوجنسیت ——— (BISEXUALITY) کی حقیقت اس موضوع کے بارے میں ہمارے ہر بیان میں حائل ہوتی ہے اور الجھاؤ پیدا کرتی ہے اور اس کی توضیح کو دشوار تر بنا دیتی ہے۔

ایک بچے کا پہلا شہوانی معروض اس کی ماں کا پستان ہوتا ہے جو اس کو غذا فراہم کرتا ہے اور ابتدا میں محبت اپنے آپ کو غذا کی ضرورت کی تسکین کے ساتھ وابستہ کر دیتی ہے

بالکل ابتدا میں بچہ یقیناً ماں کے پستان اور اپنے جسم کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ جب وہ اس کے جسم سے دور کر دیا جاتا ہے اور 'خارج' کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کیونکہ بچہ اکثر اسے موجود نہیں پاتا تو اس کے ساتھ یہ احساس وابستہ ہو جاتا ہے کہ یہ ایک معروض ہے۔ اب جبکہ یہ ایک معروض بن جاتا ہے تو اس کے ساتھ ایک ابتدائی نرگسی (خود فریفتگی) Narcissistic کی وابستگی Cathexis قائم ہو جاتی ہے۔ بعد میں یہ اولین معروض مکمل ہو کر ماں کی پوری شخصیت بن جاتا ہے جو صرف اس کو غذا ہی نہیں دیتی اس کی دیکھ بھال بھی کرتی ہے اور اس طرح اس کے اندر بہت سے خوشگوار اور ناخوشگوار جسمانی احساسات کو ابھارتی ہے۔ وہ اس کے جسم کی دیکھ بھال کرنے والی وہ اس کی پہلی بہکانے والی (SEDUCER) بن جاتی ہے۔ ان دو تعلقات میں ماں کی اہمیت کی اصل مضمر ہے۔ یہ منفرد، بے مثال اور غیر متبدل طور پر ساری زندگی کے لیے متعین (PAIDDOWN) پہلی اور سب سے قوی محبت کے معروض کی حیثیت سے دونوں جنسوں کے لیے بعد کے تمام محبت کے تعلقات کے لیے ایک اولین نمونہ Prototype بن جاتی ہے۔ ان تمام تعلقات کی نوعی Phylogenic بنیاد حادثاتی (ACCIDENTAL) ذاتی تجربات پر اس حد تک غالب رہتی ہے کہ خواہ کوئی بچہ ماں کے سینے سے دودھ پیے یا بوتل پر پرورش پائے اور ماں کی شفقت آمیز توجہ سے محروم رہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دونوں صورتوں میں اس کی نشو و نما ایک ہی راہ اختیار کرتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ دوسری صورت میں اس کی خواہش زیادہ شدید ہو اور بچہ خواہ کتنے ہی عرصے تک ماں کے سینے سے دودھ پیے دودھ چھڑانے کے بعد اسے ہمیشہ یہی یقین رہے گا کہ اس کے دودھ پینے کی مدت بہت مختصر اور کم تھی۔

یہ تمہید بالکل بے مصرف نہیں کیونکہ یہ ہمارے ذہنوں کو ایڈی پس گرہ (COMPLEX) کی شدت کے لیے تیار کر دیگی۔ جب ایک لڑکا دو یا تین سال کی عمر سے اپنے لبیڈو کی نشو و نما کے ذکری دور Phallic Phase میں داخل ہوتا ہے وہ اپنے جنسی عضو میں خوشگوار احساسات پاتا ہے اور یہ احساس حاصل کرنے کے لیے اسے ارادتاً اپنے ہاتھ سے تحریک دینا سیکھ لیتا ہے تو وہ اپنی ماں کا عاشق بن جاتا ہے۔ وہ جسمانی طور پر اس پر اس طرح قابض ہونا چاہتا ہے جس طرح اس نے اپنے مشاہدات اور جنسی زندگی کے وجدانی اندازوں سے قیاس کیا ہے اور اسے اپنے عضو تناسل کی نمائش سے بہکانا چاہتا ہے جس کی ملکیت پر اسے فخر ہوتا ہے

مختصر یہ ہے کہ اس کی قبل از وقت بیدار ہونے والی مردانگی اسے اس بات پر اکساتی ہے کہ اپنی ماں کے ساتھ وہ مقام پائے جو اس کے باپ کو حاصل ہے۔ باپ کی حیثیت ابھی تک اس جسمانی طاقت کی بدولت جس کا وہ اظہار کرتا ہے اور اس اختیار کی بدولت جو اسے حاصل ہے ایک قابلِ رشک نمونے کی سی رہی ہے۔ اس کا باپ اب ایک رقیب کے روپ میں سامنے آتا ہے جو اس کی راہ میں حائل ہے اور جسے وہ ڈھکیل کر دُور کر دینا چاہتا ہے۔ اگر باپ کی غیر موجودگی میں وہ ماں کے بستر میں شریک ہو سکے اور اس کی واپسی پر پھر ماں کے بستر سے دور ہونا پڑے تو باپ کے نظروں سے دور ہو جاتے پر اس کی خوشی اور اس کے دوبارہ سامنے آنے پر مایوسی ایسے تجربات ہیں جنہیں بچہ شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے۔ یہ ایڈی پس گرہ کا موضوع ہے جس کا یونانی روایت نے بچپن کے واہمے (PHANTACIES) کی دنیا سے ایک مفروضہ حقیقت کے طور پر ترجمہ کیا۔ ہمارے تہذیبی حالات میں ایک ہولناک انجام ہمیشہ اس کا مقدر ہوتا ہے۔

بچے کی ماں یہ سمجھتی ہے کہ بچے کی جنسی برانگیختگی کا تعلق اسی کی ذات سے ہے۔ جلد یا بدیر وہ سوچتی ہے کہ اس صورت حال کو زیادہ دیر تک جاری رکھنا غلط ہے اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ بچے کو جنسی اعضا کو چھونے سے منع کر کے وہ ایک صحیح کام کر رہی ہے۔ اس ممانعت کا بہت کم اثر ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اس خود لذتی self gratification کا کے طریقے میں تھوڑی بہت ترمیم ہو جاتی ہے بالآخر ماں سخت ترین طریقے اختیار کرتی ہے۔ وہ اسے دھمکاتی ہے کہ جس چیز سے وہ اس کی حکم عدولی کر رہا ہے وہ اس سے چھین لی جائے گی۔ عام طور پر اس دھمکی کو زیادہ خوفناک اور زیادہ قابلِ یقین بنانے کے لیے وہ اس کام کی تکمیل کا فرض بچے کے باپ کو تفویض کر دیتی ہے۔ وہ بچے کو یہ کہہ کر ڈراتی ہے کہ وہ اس کے باپ کو بتا دیگی اور وہ اس کے ذکر کو قطع کر دیگا۔ یہ حیرت انگیز بات ہے کہ یہ دھمکی اس صورت میں عمل کرتی ہے جب اس سے قبل یا بعد ایک دوسری شرط پوری ہو جائے۔ بچے کو بجائے خود ایسی کسی بات کا وقوع پذیر ہونا ناقابلِ تصور معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس دھمکی کے وقت وہ نسوانی اعضائے تناسل کی شکل یاد کر سکے یا اس کے فوراً بعد ان کی ایک جھلک دیکھ سکے، یعنی بالفاظ دیگر ایسے اعضا تناسل کی شکل دیکھ لے جو اس اعلا قدر و قیمت والے حصے سے محروم ہوں، تو جو کچھ سنا ہے وہ اس پر سنجیدگی سے غور کرتا ہے اور قطع ذکر کی گرہ (CASTRATION COMPLEX) کے زیر اثر اپنی مختصر سی زندگی کا سب سے شدید صدمہ (TRANMA) محسوس

کرتا ہے[1]۔ قطع ذکر کی دھمکی کے اثرات متعدد اور ناقابل تصور ہیں وہ ایک لڑکے کے اپنے باپ اور ماں کے ساتھ سارے تعلقات کو متاثر کرتے ہیں اور بعد میں عام طور پر مردوں اور عورتوں کے ساتھ تعلقات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ عام طور پر ایک بچے کی مردانگی اس پہلے صدمے کے مقابل ٹھہر نہیں سکتی۔ اپنے جنسی اعضا کو محفوظ رکھنے کے لیے وہ اپنی ماں پر قبضے سے کم و بیش مکمل طور پر دستبردار ہو جاتا ہے۔ اس کی جنسی زندگی اکثر اس ممانعت کے بوجھ کے نیچے دبی رہتی ہے اگر ایک قوی نسوانی جز د (جیسا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں) اس کے اندر موجود ہو تو اس کی قوت، مردانگی کو درپیش اس خطرے سے اور بڑھ جاتی ہے۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ ایک انفعالی رویہ اختیار کر لیتا ہے۔ یعنی اس طرح کا رویہ جیسا وہ اپنی ماں کے ساتھ منسوب کرتا ہے۔ یہ درست ہے کہ دھمکی کے اثر سے وہ استمنا بالید ترک کر دیتا ہے لیکن اپنے تخیل کا وہ عمل جو اس کے ساتھ جاری رہتا تھا ترک نہیں کرتا اس کے برعکس چونکہ اب یہی تخیلات اس کے لیے جنسی لذت کا واحد ذریعہ رہ جاتے ہیں وہ انہیں پہلے سے بھی زیادہ کام میں لاتا ہے اور ان واہموں (PHANTACIES) میں وہ اب بھی پہلے کی طرح اپنے باپ کے ساتھ تمثیل Identi-fication اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح بیک وقت غالباً زیادہ شدومد سے ماں کے ساتھ بھی تمثیل اختیار کرتا ہے۔ استمنا بالید Masterbation کے واہموں کے مشتقات اور ترمیم شدہ نتائج عام طور پر اس کی بعد کے دور کی انا میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس کے کردار کی تشکیل میں حصہ لیتے ہیں۔ اس کی نسوانیت کی ہمت افزائی کے علاوہ

---

[1] قطع ذکر کو ایڈی پس کی روایت میں بھی ایک مقام حاصل ہے کیونکہ آنکھوں کو بینائی سے محروم کرنا جس کے ذریعے ایڈی پس اپنے جرم کے انکشاف پر خود کو سزا دیتا ہے، خوابوں کی شہادت کی بنا پر قطع ذکر کا ایک علامتی بدل Symbolic substitute ہے۔ یہ امکان بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ ایک نوعی الاصل (PHYLOGENIC) نقش حافظہ بھی اس دھمکی کے ہولناک اثر میں معاون ہوتا ہو۔ ایک ایسا نقش حافظہ جو نوع انسانی کے ماقبل تاریخ دور سے ماخوذ ہے جب رشک سے مغلوب باپ اپنے بیٹے کو اگر وہ کسی عورت کے سلسلے میں رقیبانہ جذبے سے اس کی راہ میں حائل ہوتا ہوگا تو وہ اسے اعضائے تناسل سے واقعی محرومی کر دیتا ہوگا۔ ختنے کی قدیم رسم جو قطع ذکر کا ایک اور علامتی بدل ہے صرف اسی صورت میں قابل فہم ہے اگر اسے باپ کی مرضی کے سامنے اظہار انقیاد سمجھا جائے بمقابلہ کیلئے غیر متمدن اقوام کی وقت بلوغ سے متعلق رسموں پر نظر ڈالیے۔ ابھی تک اس بارے میں کوئی تحقیقات نہیں کی گئی ہے کہ جو واقعات اوپر بیان کیے گیے وہ ایسی نسلوں اور تہذیبوں میں کیا شکل اختیار کرتے ہیں جن میں بچوں میں استمنا بالید کی عادت کو دبایا نہیں جاتا۔

اسس کے باپ کا خوف اور اس کے خلاف نفرت بہت زیادہ شدت اختیار کرلیتے ہیں. لڑکے کی مردانگی پسپائی اختیار کرلیتی ہے اور گویا باپ کے خلاف ایک باغیانہ انداز اختیار کرلیتی ہے جو ایک جبری اندازسے انسانی معاشرے میں اسکے بعد کے طرز عمل پر غالب رہتی ہے۔ ماں کے ساتھ شہوانی (EROTIC). ترکیز (FIXATION) کا ایک جز و اس پر حد سے زیادہ انحصا کی صورت میں باقی رہتا ہے. جو عورتوں کے ساتھ محکومانہ تعلق کی صورت میں قائم رہتا ہے۔ وہ اب اپنی ماں کے ساتھ محبت کرنے کی جرأت نہیں کرتا لیکن اس کی محبت سے محروم ہو جانے کا خطرہ گوارا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس صورت میں ماں باپ سے اسس کی شکایت کرکے اسے قطع ذکر کے لیے اس کے حوالے کردیگی۔ یہ سارا تجربہ اپنے تمام سوابق Ante-cedents و عواقب کے ساتھ جس کا ہم اپنے بیان میں صرف ایک خلاصہ دے سکے ہیں ایک بہت قوی احتباس کا شکار ہو جاتا ہے اور ان قوانین کی بنا پر ممکن ہوتا ہے جو لاشعوری اڈ پر حکمرانی کرتے ہیں اور وہ تمام جذباتی تحریکیں اور ردعمل جو اس وقت جاری ہوتے ہیں لاشعور کے اندر محفوظ ہو جاتے ہیں جہاں وہ انا کے بعد از بلوغ نشوونما میں خلل اندازی کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ جب جنسی پختگی کا جسمانی عمل لبیڈو کی دیرینہ ترکیزات (FIXATIONS) کو نئی زندگی بخشتا ہے جن پر بظاہر قابو پایا جاچکا تھا تو ظاہر ہوتا ہے کہ جنسی زندگی بندش کا شکار بے ربط اور باہم متصادم تحریکوں میں بٹی ہوئی ہے۔

یہ بے شک درست ہے کہ قطع ذکر کی دھمکی کسی لڑکے کی بیدار ہوتی ہوئی جنسی زندگی پر ہمیشہ یہ ہولناک نتائج پیدا نہیں کرتی۔ یہاں پھر ایک بار اس بات کا انحصار مقداری تعلقات (QUANTITATIVE RELATIONS) پر ہوگا کہ کتنا نقصان واقع ہوتا ہے کس حد تک نقصان سے بچنا ممکن ہے۔ اس تمام سلسلۂ واقعات کو بلاشبہ بچپن کے ابتدائی سالوں کا بنیادی تجربہ زندگی کے ابتدائی دَور کا سب سے بڑا مسئلہ اور بعد کے دَور میں نقائص کا سب سے اہم سبب قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسے اس حد تک مکمل طور پر فراموش کر دیا جاتا ہے کہ تحلیل کے عمل کے دوران بالغ شخص اس کے بارے میں انتہائی سخت اور بے لچک تشکیک کا اظہار کرتا ہے در اصل اس پر اعتراض اتنا شدید ہوتا ہے کہ اس ممنوع موضوع کے ذِکر کو بھی روک دیا جاتا ہے۔ انتہائی بدیہی یاد دہانیوں کا مقابلہ ذہنی کوری کے ساتھ کیا جاتا ہے مثال کے طور پر ہمیں اکثر یہ اعتراض سننا پڑتا ہے کہ درحقیقت شاہ ایڈی پس کی حکایت کا تحلیل نفسی کی تشکیل سے

کوئی تعلق نہیں۔ یہ معاملہ بالکل مختلف تھا کیونکہ ایڈی پس کو اس بات کا قطعاً علم نہ تھا کہ جس شخص کو اس نے قتل کیا ہے وہ اس کا باپ تھا اور جس عورت سے اس نے شادی کی ہے وہ اس کی ماں ہے اس اعتراض میں جس بات کو نظر انداز کیا جاتا ہے یہ ہے کہ اگر اس مواد کی شاعرانہ تشکیل کی جائے تو اس طرح کی تحریف ناگزیر ہے۔ مزید برآں اس میں کسی خارجی موضوع کا اضافہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ صرف موضوع میں موجود عوامل کا فنکارانہ استعمال کیا گیا ہے۔ ایڈی پس کی لاعلمی اس لاشعوری حالت کا جائز اظہار ہے جس میں بالغوں کے لیے یہ سارا تجربہ دفن ہو چکا ہے۔ اور غیبی آواز کی جانب سے تقدیر کی پیش گوئی جو ہیرو کو بے قصور قرار دیتی ہے یا جس کی رو سے ہیرو کو بے قصور ماننا چاہیے اس اٹل تقدیر کا اعتراف ہے جو ہر بیٹے کو اپنی زندگی میں ایڈی پس گرہ سے دو چار ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ اس کے علاوہ تحلیل نفسی کے حامیوں نے یہ بھی نشاندہی کی ہے کہ ایک اور ڈرامے کے ہیرو کے کردار کا معمہ ایڈی پس گرہ کے حوالے سے حل کیا جا سکتا ہے۔ یہ کردار شیکسپیئر[1] (SHAKESPEAR) کا پس و پیش میں مبتلا ہیرو ہیملیٹ (HAMLET) ہے۔ جو ایک اور شخص کو سزا دینے میں کوتاہی کا مرتکب ہوا جس کا جرم اصل میں اس کی اپنی ایڈی پس خواہش سے مطابقت رکھتا تھا اور اسی سبب سے وہ المیے کا شکار ہوا۔ اس مسئلے پر ادبی دنیا نے جس نافہمی یا کج فہمی کا اظہار کیا ہے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ انسانوں کی اکثریت کس حد تک اپنے طفلانہ احتباسات کے ساتھ چمٹے رہنے کی طرف میلان رکھتی ہے۔

علاوہ بریں تحلیل نفسی کے آغاز سے ایک صدی سے زیادہ عرصہ قبل فرانسیسی فلسفی

---

[1] ولیم شیکسپیر کا نام غالباً ایک فرضی نام ہے جس کے پیچھے کوئی عظیم غیر معروف شخصیت چھپی ہوئی ہے۔ ایڈورڈ ڈی ویر ارل آف آکسفورڈ Edward de Vere. Earl of Oxford. وہ شخص ہے جسے شیکسپیر کے ڈراموں کا مصنف سمجھا گیا ہے۔ اپنے محبوب اور محترم باپ کے سائے سے لڑکپن ہی میں محروم ہو گیا تھا اور اس نے ماں سے مکمل طور پر قطع تعلق کر لیا تھا جس نے اپنے شوہر کی موت کے فوراً بعد دوبارہ شادی کر لی تھی۔

[ہیملٹ کے مصنف کے بارے میں فرائڈ کی یہ قیاس آرائی بظاہر مضحکہ خیز ہے۔ اس کا محرک بھی بظاہر یہی ہے کہ فرائڈ کی اپنے نظریے کے ساتھ شدید وابستگی نے اسے تاریخ ادب اور تفسیر ادب میں بھی اپنے مخصوص نظریے کی تائیدی شہادت تلاش کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مترجم]

ڈیدرو (DIDEROT) نے تمدن کے ابتدائی دور کی غیر متمدن دنیا اور متمدن دنیا کا فرق ظاہر کر کے ایڈی پس گرہ کی اہمیت کی ان الفاظ میں شہادت دی تھی :-

"اگر وہ چھوٹا سا وحشی (یعنی ہیملیٹ) اپنی تمام حماقتوں کو برقرار رکھتے ہوئے اور گہوارے میں پڑے ہوئے بچے کی سمجھ بوجھ اور تیس سال کے جوان آدمی کے جذبات کو یکجا رکھتے ہوئے اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ اپنے باپ کا گلا گھونٹ دیتا اور اپنی ماں کے ساتھ ہمبستری کر لیتا[1]" میں یہ دعوٰی کرنے کی جسارت کر سکتا ہوں اگر تحلیل نفسی کے پاس ایڈی پس گرہ کی نقاب کشائی کے علاوہ اور کوئی کارنامہ نہ ہوتا تو تنہا یہ انکشاف اسے یہ حق عطا کر سکتا تھا کہ اسے نوع انسانی کی بیش بہا تازہ فتوحات میں شمار کیا جائے

قطع ذکر کی گرہ کے اثرات چھوٹی لڑکیوں پر یکساں ہوتے ہیں لیکن کچھ کم گہرے نہیں ہوتے ایک بچی کو یقیناً ذکر سے محروم ہو جانے کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ تاہم اسے نہ پانے کی حقیقت کا اس پر ضرور رد عمل ہوتا ہے۔ ابتدا ہی سے وہ اس عضو کا مالک ہونے کی بنا پر چھوٹے لڑکوں پر رشک کرتی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے نشوونما کا سارا عمل اس کے رشک کے زیر اثر واقع ہوتا ہے جو اسے ذکر رکھنے والوں سے ہوتا ہے۔ وہ لڑکوں کی طرح عمل کرنے کی ناکام کوشش کرتی ہے اور بعد میں نسبتاً زیادہ کامیابی کے ساتھ اپنے اس نقص کی تلافی کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ کوششیں بالآخر نارمل نسوانی رویے کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اگر ذکری دور میں ایک لڑکے کی طرح اپنے جنسی اعضا کو ہاتھ سے تحریک دیکر لذت حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ کافی حد تک تسکین نہیں پا سکتی۔ اور اپنے کمتری کے احساس کو اپنے سکڑے ہوئے عضو تناسل سے بڑھا کر اپنی پوری شخصیت تک وسعت دے دیتی ہے۔ بہت جلد وہ ہاتھ کے ذریعے استلذاد بالنفس کا عمل ترک کر دیتی ہے کیونکہ وہ اپنے بھائی یا کھیل کے ساتھی کی برتری کی یاد دہانی پسند نہیں کرتی اور جنسیت سے بالکل روگرداں ہو جاتی ہے۔

اگر ایک چھوٹی لڑکی اپنی اس اولین خواہش سے چمٹی رہتی ہے کہ وہ بڑھ کر لڑکا بن جائے تو انتہائی صورتوں میں وہ انجام کار ایک کھلی ہمجنس پرست (HOMOSEXUAL) بن جائے گی اور ہر صورت میں بعد کی زندگی میں اس کا طرز عمل نمایاں طور پر مردانہ خصوصیات کا حامل ہوگا اور

---

[1] یہ اقتباس ڈیدرو Dederot کی تحریر "ڈیدرو کا بھتیجا" Le Neven de Romean سے لیا گیا ہے۔

وہ کوئی مردانہ پیشہ منتخب کرے گی وعلی ھذا القیاس (۱) اور ایسے ہی دوسرے رجحانات کا مظاہرہ کرے گی (۲) اس کے لیے دوسرا راستہ اس ماں کو چھوڑ دینے کی طرف جاتا ہے جس سے اسے محبت رہی ہے۔ لڑکی اپنے رشک کے زیر اثر جو اسے ذکر سے ہوتا ہے اپنی ماں کو کبھی معاف نہیں کرتی جس نے اسے اتنے ناکافی ساز و سامان کے ساتھ دنیوی زندگی کا سفر آغاز کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس ناراضگی میں وہ ماں کو چھوڑ دیتی ہے اور ایک دوسرے شخص (اپنے باپ) کو اپنی محبت کے معروض کی حیثیت سے اس کی جگہ دیدیتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی معروض محبت سے محروم ہو جائے تو اس کا سب سے واضح ردعمل یہ ہوتا ہے کہ اپنی ذات کو اس کے ساتھ ممثل کردے اور خود گویا اندر سے اس تمثل کے ذریعے اس کی جگہ لے لے۔ یہ طریقہ کار کم عمر لڑکی کی مدد کرتا ہے۔ ماں کے ساتھ تمثل اس کے ساتھ وابستگی کی جگہ لے سکتا ہے۔ کم عمر لڑکی خود کو اپنی ماں کی جگہ رکھ سکتی ہے جیسا کہ وہ اپنے کھیلوں میں ہمیشہ کرتی رہی ہے۔ اب وہ اپنے باپ کے ساتھ ماں کی جگہ لینے کی کوشش کرتی ہے اور ماں سے جس سے اب تک وہ محبت کرتی رہی ہے نفرت کرنے لگتی ہے۔ یہ نفرت دو محرکات کی بنا پر ہوتی ہے یعنی رشک کی بنا پر بھی اور ذکر کے معاملے میں جس سے وہ محروم رکھی گئی ہے احساس اہانت کی بنا پر بھی۔ باپ کے ساتھ اس کا تعلق اس طرح شروع ہو سکتا ہے کہ اس کی اندرونی محرک یہ خواہش ہو کہ باپ کا ذکر اس کے تصرف میں ہو۔ لیکن یہ ایک اور خواہش کی صورت میں انجام پذیر ہوتی ہے کہ وہ اپنے باپ سے تحفے میں ایک بچہ حاصل کرے۔ بچہ کی خواہش ذکر کی خواہش کی جگہ لے لیتی ہے یا کم سے کم اس سے متفرع ہوتی ہے۔

یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ مردوں اور عورتوں کے معاملے میں ایڈی پس گرہ اور قطع ذکر کی گرہ ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہے کہ درحقیقت ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ مردوں میں قطع ذکر کا خوف ایڈی پس گرہ کو ختم کر دیتا ہے اس کے برخلاف عورتوں میں ہم یہ چاہتے ہیں کہ ذکر سے محرومی انہیں ایڈی پس گرہ میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اگر کوئی عورت اپنے نسوانی ایڈی پس رویے پر قائم رہے تو یہ اس کو زیادہ نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس کے لیے الیکٹرا گرہ Electra Complex کا نام تجویز کیا گیا ہے۔ اس صورت میں وہ اپنے شوہر کو اس کی پوری خصوصیات کی بنا پر منتخب کرے گی اور اس کا اختیار تسلیم کرنے پر آمادہ ہوگی۔ اس کی یہ خواہش کہ اسے ذکر حاصل ہو جائے حقیقتاً ناقابل تسکین ہے۔ یہ اس طرح تسکین پا سکتی ہے کہ وہ مردانہ عضو تناسل کے ساتھ اپنی محبت کو مکمل کرلے اور اس کی توسیع اس شخص تک

کردے جو اس عضو کا مالک ہے یہ بالکل اسی طرح واقع ہوتا ہے جس طرح پہلے وہ ماں کے پستان کی محبت سے ترقی کر کے ماں کی پوری شخصیت تک پہنچی تھی۔

اگر ہم کسی تحلیل نفسی کرنے والے سے پوچھیں کہ اس کے تجربے نے اپنے مریضوں کی ذہنی ساخت میں کسی چیز کو اپنے اثرات کی رسائی سے سب سے زیادہ دور پایا ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ عورت میں اس کی ذکر کی خواہش اور مرد میں اس کا اپنے ہم جنسوں کے ساتھ نسوانی رویہ جس کی لازمی ابتدائی شرط اس کی ذکر سے محرومی ہوگی۔

حصہ سوم

نظریاتی ماحصل

باب 8

نفسی آلہ اور خارجی دُنیا

وہ تمام عام نظریات اور مفروضات جو ہمارے پہلے باب میں پیش کیے گئے ہیں درحقیقت بڑی مستقل مزاجی سے مسلسل محنت اور تفصیلی کا نتیجہ ہیں۔ اس طرح کا کام جس کی مثال ہم نے گزشتہ حصے میں پیش کی ہے۔ اس سے ہمیں یہ ترغیب ہوتی ہے کہ علم میں ان اضافوں کا جائزہ لیں جو ہم اس طرح کے کام سے حاصل کر سکے ہیں اور یہ غور کریں کہ مزید پیش رفت کے لیے ہمارے سامنے کونسے راستے کھلے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات ہمارے لیے حیرت کا باعث ہو سکتی ہے کہ ہمیں اتنی بار نفسیاتی سائنس کی سرحدوں سے پار جانے کی جسارت کرنی پڑی ہے۔ وہ مظاہر جن سے ہمیں سروکار رہا ہے صرف نفسیات کے ساتھ مخصوص نہیں ان کی ایک عضویاتی اور حیاتیاتی حیثیت بھی ہے اور اسی سے تحلیل نفسی کی بنیادیں قائم کرنے کے دوران ہم نے نئے حیاتیاتی حقائق کا انکشاف کیا ہے اور نئے حیاتیاتی مفروضے قائم کرنے سے بھی احتراز نہیں کیا ہے۔

لیکن فی الحال ہمیں نفسیات تک محدود رہنے کی اجازت دیجیے۔ ہم نے یہ دریافت کیا ہے کہ سائنٹفک اعتبار سے نفسیاتی طور پر نارمل اور ابنارمل کے درمیان حد فاصل قائم کرنا قابل عمل نہیں اس لیے یہ امتیاز اپنی عملی اہمیت کے باوجود صرف رسمی قدر و قیمت کا حامل ہے۔ اس طرح ہم نے اپنا حق تسلیم کرا لیا ہے کہ اختلال ذہنی کا مطالعہ کر کے ذہن کی نارمل زندگی کی فہم تک پہنچ سکیں۔ یہ دعوا اس صورت میں ناقابل قبول ہوتا اگر ان مریضانہ حالتوں یعنی اعصابی اور نفسیاتی اختلال کے معین اسباب ہوتے جن کا عمل خارجی مادی اجسام کی مانند ہوتا۔

ایک ذہنی اختلال کی حالت کے مطالعے نے جو نیند کے دوران واقع ہوتی ہے جو گزر جانے

والی اور بے ضرر ہے اور جو درحقیقت ایک کارآمد عمل انجام دیتی ہے ہمیں ذہنی امراض کو سمجھنے کے لیے ایک کلید (KEY) عطا کی ہے۔ اس کی مدد سے ہم ان ذہنی امراض کو سمجھ سکتے ہیں جو مزمن ہیں اور زندگی کے لیے مضرت رساں ہیں۔ اب ہم یہ دعوا کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ شعور کی نفسیات نارمل ذہنی اعمال کو سمجھنے میں بھی اتنی ہی ناکامیاب بھی جتنی خوابوں کو سمجھنے میں۔ شعوری ادراک ذات کا دیا ہوا مواد جو ہمارے ذہن کے تصرف میں تھا ذہنی اعمال کی فراوانی اور پیچیدگیوں کا سراغ لگانے میں ہر اعتبار سے ناکافی ثابت ہوا ہے۔ یہ نہ ان کے باہمی تعلقات کو ظاہر کر سکا ہے اور نہ ان اعمال کے اختلال کے موثر اسباب کا سراغ لگا سکا ہے۔ ہم نے ایک نفسی آلے کا مفروضہ اختیار کیا ہے جو مکان میں پھیلا ہوا ہے، جو ایک موزوں ساخت رکھتا ہے، جس نے زندگی کی ضرورتوں کے زیر اثر نشوونما پائی ہے اور جو ایک خاص نقطے پر اور معین خاص شرائط کے ماتحت شعور کے مظاہر کو وجود میں لاتا ہے۔ اس مفروضے نے ہمیں اس قابل بنا دیا ہے کہ نفسیات کو ایسی بنیادوں پر قائم کر سکیں جو کسی دوسری سائنس مثلاً طبیعیات کی بنیادوں سے مشابہ ہوں۔ ہماری سائنس میں بھی مسئلہ وہی ہے جو دوسری سائنسوں میں ہے زیر مطالعہ موضوع کی صفات (یا خصوصیات) کے پیچھے جو ہمارے ادراکات کو براہ راست حاصل ہوتی ہیں ہمیں کسی ایسی چیز کا سراغ لگانا ہے جو ہمارے حسی اعضا کی مخصوص ادراکی صلاحیتوں سے زیادہ آزاد ہے اور اس چیز کے ساتھ جسے حقیقی صورت حال فرض کیا جا سکتا ہے زیادہ قریبی مطابقت رکھتی ہے۔ ہمیں بذات اس چیز تک پہنچنے میں کامیابی کی کوئی امید نہیں کیونکہ یہ بالکل واضح ہے کہ ہر نئی چیز کا جس کا ہم استنباط کریں گے اس کا ادراکات کی زبان میں دوبارہ ترجمہ کرنا ضروری ہو گا جس سے آزادی حاصل کرنا ہمارے لیے بالکل ناممکن ہے لیکن اسی میں ہماری سائنس کی نوعیت اور اس کی حدود کا راز مضمر ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے طبیعیات میں ہم یہ کہیں کہ اگر ہم زیادہ صاف دیکھ سکتے تو ہم یہ پاتے کہ جو چیزیں بظاہر ٹھوس ہیں اور ایسی شکل اور حرارت کے ذرات سے بنی ہیں جو ایسے اور ایسے اضافی مقامات Positions پر واقع ہیں۔ اس لیے ہم اپنے حسی اعضا کی کارکردگی کو جہاں تک ممکن ہے مصنوعی ذرائع سے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ایسی تمام کوششیں آخری نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہیں گی۔ حقیقت ہمیشہ ہمارے علم کی رسائی سے باہر رہے گی سائنٹفک کام سارے اولین حسی مدرکات سے جو کچھ اخذ کرتا ہے وہ خارجی

دنیا میں موجود تعلقات اور انحصارات باہمی کے بارے میں ایک بصیرت ہے جسے کسی نہ کسی طرح قابل اعتماد طور پر ہمارے خیالات کی دنیا میں منعکس کیا جاسکتا ہے یا اس کی دوبارہ تشکیل کی جاسکتی ہے اور اس کا علم ہمیں بیرونی دنیا کو سمجھنے اس کے بارے میں پیش بینی کرنے اور اگر ممکن ہو تو اسے بدلنے کے قابل بناتا ہے۔ تحلیل نفسی میں ہمارا طریق کار اس سے بالکل مشابہ ہے۔ ہم نے اپنے شعور کے مظاہر میں موجود خلاؤں کو پُر کرنے کے تکنیکی طریقے دریافت کر لیے ہیں اور ہم ان طریقوں کو اسی طرح استعمال کرتے ہیں جس طرح ایک ماہر طبیعیات تجربات کا استعمال کرتا ہے۔ اسطرح ہم بہت سے ایسے اعمال کا استنباط کرتے ہیں جو بجائے خود ایسے نہیں ہیں کہ ان کا علم حاصل کیا جاسکے اور ان کو ہم ایسے اعمال میں شامل کر لیتے ہیں جن کا ہمیں شعور ہوتا ہے اور اگر مثال کے طور پر ہم یہ کہتے ہیں کہ "اس مرحلے پر ایک لاشعوری یاد حائل ہوگئی۔" اس سے ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ "اس مرحلے پر کوئی ایسی بات واقع ہوئی جس کے بارے میں کوئی تصور قائم کرنے سے ہم کلیتاً قاصر ہیں لیکن وہ بات ایسی ہے کہ اگر وہ ہمارے شعور میں داخل ہوتی تو اس کو صرف اسی طرح بیان کیا جاسکتا تھا۔" ہمارے اس طرح کے استنباط اور درمیانی اضافے کرنے میں جواز اور ان کے بارے میں تیقن کے مدارج میں یقیناً ہر منفرد صورت حال میں تنقید کا ہدف بن سکتے ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا اظہار تحلیل کا عمل کرنے والوں کے درمیان اتفاق رائے کے فقدان میں ہوتا ہے۔ اس کا الزام کسی حد تک مسئلے کے نئے پن پر یا بالفاظ دیگر تحلیل کرنے والوں میں تربیت کی کمی پر عائد ہوتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ایک اور عامل بھی ہے جو اس مضمون ہی میں مضمر ہے۔ اس لیے کہ طبیعیات کے برعکس نفسیات میں ہماری دلچسپی ہمیشہ ایسی چیزوں سے وابستہ نہیں ہوتی جو ہمارے اندر صرف بے لوث غیر جذباتی سائنٹفک دلچسپی کے محرک ہوں اس لیے ہمیں بہت زیادہ حیرت نہیں ہوگی اگر ایک تحلیل نفسی کرنے والی خاتون جسے خود اپنی ذکر کی خواہش کا کافی حد تک یقین نہیں ہے اپنے مریضوں میں اس عامل کو کافی اہمیت دینے سے قاصر رہے۔ لیکن اگر تمام پہلوؤں پر غور کیا جائے تو غلطیوں کے ایسے اسباب کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی جو ذاتی رجحان کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں۔ اگر ہم دُوربین کے استعمال کے متعلق پرانی درسی کتابوں پر نظر ڈالیں تو اس آلے کی مدد سے مشاہدات کرنے والے کی شخصیت کے بارے میں جو غیر معمولی مطالبات کئے گئے ہیں ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ یہ بات اس وقت کی ہے جب اس کے استعمال کا طریقہ کار (تکنیک) بالکل نئی تھی اس

زمانے میں اس کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

اس مقام پر ہم آلۂ نفس اور اس کے اعمال کا مکمل تصور پیش کرنے کی کوشش نہیں کرسکتے دوسری چیزوں کے علاوہ یہ چیز بھی ہمارے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے کہ تحلیل نفسی کو ابھی تک اتنا وقت نہیں مل سکا ہے کہ یہ ان تمام اعمال کا مطالعہ یکساں توجہ کے ساتھ کرسکے۔ اس لیے ہم اپنے ان بیانات کے خاص پہلوؤں پر جو کتاب کے ابتدائی حصے میں دئے گئے ہیں دوبارہ تفصیلی نظر ڈالیں گے۔ ہمارے وجود کا مرکز غیر واضح اڈ پر مشتمل ہے۔ جس کا خارجی دنیا سے کوئی براہ راست تعلق نہیں اور ہمارے علم کے لیے بھی اس تک رسائی حاصل کرنا ذہن کے ایک دوسرے عمل کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔ اس اڈ کے اندر عضویاتی جبلتیں عمل کرتی ہیں جو خود دو اولین قوتوں (ایروس (EROS) اور جبلت تخریب) کے مختلف تناسب کے ساتھ امتزاج پر مشتمل ہوتی ہیں اور ان کے درمیان امتیاز اعضا یا عضویاتی نظاموں سے ان کے تعلق کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ ان جبلتوں کی سعی کا واحد ماحصل کا واحد مقصد وہ تسکین ہوتی ہے جس کے حصول کی توقع خارجی دنیا کے مفروضات کے ذریعے ان اعضا میں ترمیم سے کی جاسکتی ہے۔ لیکن جبلت کی فوری اور بے محابا تسکین جس کا اڈ مطالبہ کرتی ہے اکثر حالات میں خارجی دنیا سے خطرناک کشمکس اور بالآخر ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔ اڈ بقا کے تعین کے لیے کسی احتیاطی تدبیر اور کسی تشویش سے آگاہ نہیں ہوتی۔ یا شاید یہ کہنا زیادہ صحیح ہو کہ اگرچہ اڈ تشویش کے حسی عناصر پیدا کرسکتی ہے لیکن ان سے کام نہیں لے سکتی۔ وہ اعمال جو اڈ میں اور اس میں مفروضہ ذہنی عناصر (یعنی اولین اعمال) کے درمیان موجود ہوتے ہیں بڑی حد تک ان اعمال سے مختلف ہوتے ہیں جو شعوری ادراک کے ذریعے ہماری ذہنی اور جذباتی زندگی میں ہمارے لیے جانے پہنچانے ہوتے ہیں۔ وہ منطق کی تنقیدی حد بندیوں کے پابند بھی نہیں ہوتے جو ان اعمال میں سے چند کو ناروا قرار دے کر رد کردیتے ہیں اور ان کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اڈ جو خارجی دنیا سے بے تعلق ہوتی ہے اپنے ادراکات کی ایک الگ دنیا رکھتی ہے۔ وہ اپنے باطن میں خاص خاص تبدیلیوں کا خصوصاً جبلی ضرورتوں کے تناؤ میں اتار چڑھاؤ کا سراغ غیر معمولی وضاحت کے ساتھ لگالیتی ہے یہ اتار چڑھاؤ خوشی و ناخوشی کے سلسلے کے احساسات کی حیثیت سے شعوری بن جاتا ہے۔ یہ کہنا یقیناً مشکل ہے کہ کن ذرائع سے اور کن اختتامی حسی اعضا Sensory Terminal organ کی مدد سے یہ ادراکات وجود میں آتے

ہیں ۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ ادراکات ذات یعنی مجموعی حسیت یا خوشی، ناخوشی کے احساسات اڈ میں ہونے والے واقعات پر مستبدانہ حکمرانی کرتے ہیں۔ اڈ جابر اُصول لذت Pleasure PRINCIPAL) کی اطاعت کرتی ہے لیکن اس اطاعت میں اڈ تنہا نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ذہن کے دوسرے عوامل بھی اصول لذت کی نفی نہیں کرتے اس میں صرف کچھ ترمیم کر سکتے ہیں۔ یہ سوال عظیم ترین نظریاتی اہمیت کا حامل رہتا ہے کہ اصول لذت کب اور کس طرح مغلوب ہو سکتا ہے۔ اس سوال کا جواب ابھی تک نہیں مل سکا۔ یہ خیال کہ اصول لذت جبلّی ضرورتوں کے تناؤ میں کمی یا شاید بالآخر اس کے خاتمے (یعنی ایک نروان کی سی حالت) کا طالب ہے، ایسے مسائل کی جانب ہماری راہنمائی کرتا ہے جن کا ابھی تک جائزہ نہیں لیا گیا ہے یعنی اصول لذت اور دونوں اولین قوتوں (ایروس اور جبلّت مرگ) کے باہمی تعلقات کے مسائل ذہن کا دوسرا عامل جس کو بظاہر ہم سب سے اچھی طرح جانتے ہیں اور جس کو ہم خود سب سے زیادہ آسانی سے پہچانتے ہیں انا کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ اڈ کی بیرونی سطح Cortex سے نشوونما پاکر اور تحریکات کو قبول کرنے یا رد کرنے کے لیے موزوں بن کر وجود میں آتی ہے اور خارجی دنیا سے براہ راست رابطہ رکھتی ہے۔ شعوری ادراک سے آغاز کرکے یہ اڈ کے وسیع سے وسیع تر خطوں اور عمیق سے عمیق تر تہوں کو اپنے زیر اثر لے آتی ہے۔ جس استقلال کے ساتھ یہ بیرونی دنیا پر اپنا انحصار قائم رکھتی ہے اس کی بدولت یہ اپنی اصل کا امٹ نشان اس طرح برقرار رکھتی جیسے کسی ملک کی مصنوعات پر ساختہ کا نشان ہوتا ہے۔ اس کا نفسیاتی عمل اڈ کے اعمال کو ایک بلند حرکی (DYNAMIC) سطح تک لاتا ہے۔ غالباً یہ اس طرح واقع ہوتا ہے کہ آزاد حرکت پذیر Mobile توانائی بستہ توانائی Mobile-Energy میں تبدیل ہو جاتی ہے یعنی ایسی حالت میں آجاتی ہے جو قبل شعور سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس کا تعمیری عمل (اس امر پر مشتمل ہوتا ہے) کہ یہ ایک جبلّت کے مطالبات اور اس کو تسکین دینے والے عمل کے درمیان ایک تعقلی عمل کو حائل کر دیتی ہے جو موجودہ صورت حال پر غور کرکے اور سابقہ تجربات کی جانچ پڑتال کے بعد تجرباتی کارروائیوں کے ذریعے مجوزہ راہ عمل کے نتائج کا اندازہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس طرح انا یہ فیصلہ کرتی ہے کہ تسکین حاصل کرنے کی کوشش کی تکمیل کرنا چاہیے یا اس کو ملتوی کر دینا چاہیے یا خطرناک ہونے کی بنا پر جبلّت کے تقاضے کو بالکل دبا

دینا ضروری ہے یا نہیں۔ یہاں ہم اصول حقیقت Reality Principle سے دوچار ہوتے ہیں۔ جس طرح اڈ کا رخ مانع طور پر حصول لذت کی جانب ہے اسی انا تحفظ کے خیال کی تابع ہوتی ہے۔ انا نے اپنے ذمے تحفظ ذات کا فرض عائد کر رکھا ہے جسے اڈ بظاہر نظر انداز کرتی ہے یہ احساسات تشویش کو ایک اشارے کے طور پر ان خطرات سے آگاہی دینے کے لیے استعمال کرتی ہے جن کی زد اس کی سالمیت Integrity پر پڑتی ہے۔ چونکہ نقوش حافظہ Memory Traces بھی اسی طرح خصوصاً الفاظ کے مابقی اثرات Verbal Residues کے ساتھ اپنے ایتلافات کے ذریعے شعوری بن سکتے ہیں جس طرح ادراکات شعوری ہوتے ہیں اس لیے ایک ایسے التباس کا امکان پیدا ہو جاتا ہے جو حقیقت کے غلط اندازے پر منتج ہو۔ انا اپنی حفاظت اس طرح کرتی ہے کہ آزمائش حقیقت (REALITY) Testing کا ایک عمل وضع کر لیتی ہے جسے نیند کی حالت میں موثر حالات کی بنا پر خواب میں معطل ہو جانے دیا جاتا ہے۔ ناقابل مقاومت مشینی قوتوں کے ماحول میں اپنے تحفظ کی کوششوں میں انا کو ایسے خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اولین طور پر خارجی حقیقت کی طرف لے آتے ہیں لیکن سب خطرات باہر ہی سے نہیں آتے اس کی اڈ بھی ایسے ہی خطرات کا سرچشمہ ہے۔ اس کے دو مختلف اسباب ہیں۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ جبلت کی حد سے بڑھی ہوئی قوت انا کو اسی طرح نقصان پہنچا سکتی ہے جس طرح خارجی دنیا کے حد سے زیادہ قوی ہیجانات۔ یہ درست ہے کہ یہ شدت اس کو ختم نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ اس کی خصوصی حربی تنظیم کو تباہ کر سکتی ہے اور انا کو دوبارہ اڈ کا ایک حصہ بنا سکتی ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ تجربے نے انا کو یہ سبق دیا ہو کہ بعض جبلی مطالبوں کی تسکین جو بجائے خود ناقابل برداشت نہ ہو اسے خارجی دنیا میں خطرات میں مبتلا کر دیگی۔ اس لیے اس طرح کا جبلی مطالبہ بجائے خود ایک خطرہ بن جاتا ہے۔ اس طرح انا کو دو محاذوں پر لڑنا پڑتا ہے اسے ایک خارجی دنیا کے مقابلے میں بھی اپنے وجود کی حفاظت کرنی پڑتی ہے جس سے اسے ہلاکت کا خطرہ لاحق ہوتا ہے اور ایک اندرونی دنیا سے بھی اپنا تحفظ کرنا پڑتا ہے جس کے مطالبے حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ انا دونوں کے مقابلے میں ایک سے حفاظت کے طریقے اختیار کرتی ہے لیکن اندرونی دشمن کے مقابلے میں اس کے دفاعی وسائل خصوصیت کے ساتھ ناکافی ہوتے ہیں چونکہ ابتدا میں انا کا اس دشمن کے ساتھ بحیثیت (IDENTITY) کا تعلق رہ چکا ہے اور ایک طویل عرصے تک اس کے

اپنے دشمن کے ساتھ قریبی روابط رہے ہیں اس لیے انا کو اس اندرونی خطرے سے بچنے میں بے حد دشواری پیش آتی ہے۔ اگر ان خطرات Dangers کو وقتی طور پر روک لیا جائے تب بھی یہ دھمکیوں Threats کی صورت میں برقرار رہتے ہیں۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح بچپن کے ابتدائی دور میں بچے کی کمزور اور ناپختہ انا کو اس دباؤ سے مستقل نقصان پہنچتا ہے جو اسے ان خطرات کو ٹالنے میں برداشت کرنا پڑتا ہے جو بچپن کے اس دور کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بچے اپنے والدین کی دیکھ بھال کی بدولت ان خطرات سے محفوظ رہتے ہیں جو انھیں خارجی دنیا کی طرف سے لاحق ہوتے ہیں۔ اس تحفظ کی قیمت انھیں والدین کی محبت سے محروم ہو جانے کے خوف کی صورت میں ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ محرومی انھیں خارجی دنیا کے خطرات کے مقابلے میں بے بس بنا کر چھوڑ دیتی ہے۔ اس عامل کا اثر اس کشمکش کے نتیجے پر فیصلہ کن ہوتا ہے جو بچے کو اس وقت پیش آتی ہے جب وہ خود کو اڈی پس گرہ کی صورت حال میں پاتا ہے اور اس کی خود فریفتگی نرگسیت Narg-issism - کے خلاف قطع ذکر کا خوف اس پر غالب آجاتا ہے جسے عہد عتیق کے اثرات سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ان دو اثرات کی مشترکہ قوت کے دباؤ کے ماتحت یعنی فوری خطرے اور حافظے میں مرتسم نوعی الاصل Phylogenetic خطرے کے زیر اثر بچہ اپنی مدافعت (یعنی احتباس Repression) کی مہم کا آغاز کرتا ہے۔ یہ احتباسات وقتی طور پر موثر ہوتے ہیں لیکن جب مسترد کیے ہوئے جبلی مطالبوں کو آگے چل کر جنسی زندگی کے دوبارہ احیا سے تقویت حاصل ہوتی ہے تو یہ دفاعی کوششیں ناکافی ثابت ہوتی ہیں۔

حیاتیاتی نقطہ نظر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جنسی زندگی سے اولین دور کی تحریکات پر قابو پانے کے کام میں ناکامی اور نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ کام اس نے اس وقت کرنا چاہا تھا جب وہ اپنی ناپختگی کی وجہ سے اس کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔ اس طرح انا کی نشوونما کے لبیڈو کی نشوونما سے پیچھے رہ جانے کو ہم اعصابی اختلال کی لازمی اولین شرط کے طور پر تسلیم کرتے ہیں اور اس نتیجے سے قطع نظر نہیں کر سکتے کہ اگر بچے کی انا کو اس مشقت سے محفوظ رکھا جاتا یا بالفاظ دیگر اس کی جنسی زندگی کو آزاد چھوڑ دیا جاتا جیسا کہ متعدد غیر ترقی یافتہ نسلوں میں ہوتا ہے تو اعصابی اختلال سے اس کا محفوظ رہنا ممکن تھا۔ ممکن ہے کہ اعصابی بیماریوں کی علیت (AETIOLOGY) کے بارے میں ہم نے یہاں جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس

سے زیادہ پیچیدہ ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو ہم کم سے کم ان امراض کی مجموعی علیت Aeti-
ology-complex کے ایک لازمی حصے کو نمایاں ضرور کرسکتے ہیں ہمیں ان
نوعی الاصل Phylogenetic اثرات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے جو اڈ میں ایسی
صورتوں میں موجود ہوتے ہیں جنہیں ہم گرفت میں نہیں لاسکتے اور خبط انا پر عمل اس
اولین دَور میں بعد کے ادوار کے مقابلے میں یقیناً زیادہ قوی ہوتا ہے۔ دوسری جانب
ہم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ جنسی جبلّت پر بند باندھنے کی ایسی ابتدائی کوشش، نوعمر انا کی
ایسی واضح جانب داری یعنی اندرونی دنیا کے مقابلے میں بیرونی دنیا کی جانب اتنا واضح
جھکاؤ جو بچگانہ جنسی رجحانات کی مخالفت کا نتیجہ ہوتا ہے یقیناً فرد کو آیندہ زندگی میں
تمدنی نشوونما کے لیے تیار کرنے میں بہت زیادہ موثر ثابت ہوتی ہیں۔ جبلّی مطالبے جنہیں
براہ راست تسکین حاصل کرنے سے جبراً روک دیا جاتا ہے نئی سمتیں اختیار کرنے پر مجبور
ہوتے ہیں جو ان کی متبادل تسکین کی جانب راہنمائی کرتی ہیں۔ ان پر پیچ راہوں سے گزرنے
میں وہ اپنی جنسی خصوصیت سے عاری ہو جاتے ہیں اور اصل جبلّی مقاصد سے ان کا تعلق
کمزور ہو جاتا ہے اور اس مرحلے پر ہم اس تصور کی پیش بینی کرسکتے ہیں کہ ہمارے انتہائی
بیش بہا تمدنی ورثے کا بڑا حصہ جنسیت کی قیمت دے کر اور جنس کی محرک قوتوں کی حدبندی
کرکے حاصل ہوا ہے۔

ہمیں بار بار اس حقیقت پر زور دینا پڑا ہے کہ انا نہ صرف اپنی اصل کے لیے بلکہ
اپنی اہم ترین اکتسابی خصوصیات کے لیے، حقیقی خارجی دنیا کے ساتھ اپنے تعلق کی ممنون
ہے اسی طرح ہم یہ فرض کرنے کے لیے تیار ہیں کہ انا کی مریضانہ حالتیں، یعنی وہ حالتیں
جن میں وہ ایک بار پھر اڈ سے قریب ہو جاتی ہے خارجی دنیا کے ساتھ اس تعلق کے
ختم ہو جانے یا کمزور ہو جانے پر مبنی ہوتی ہیں۔ یہ بات ہمارے معالجاتی تجربے
clinical Experience کے عین مطابق ہے کہ نفسیاتی اختلال کے آغاز کا موثر
سبب یہ ہوتا ہے کہ یا تو حقیقت ناقابل برداشت حد تک الم انگیز بن جاتی ہے یا
جبلّتیں غیر معمولی طور پر شدید ہو جاتی ہیں اور یہ دونوں صورتیں انا پر اڈ اور خارجی دنیا
کی طرف سے عائد ہونے والے مطالبوں کے پیش نظر اس پر ایک ہی طرح کا اثر پیدا کرتی
ہیں۔ اگر انا کا حقیقت سے گریز مکمل طور پر عمل میں آسکے تو نفسیاتی اختلال کا مسئلہ زیادہ

آسان اور قابلِ فہم ہو جائے۔ لیکن ایسی صورت اگر کبھی واقع ہوتی بھی ہے تو بہت شاذ و نادر ہوتی ہے۔ خارجی دنیا کی حقیقت سے انتہائی دوری کی ایسی صورتوں جیسے اوہام اور انتشار ذہنی Confusional state کی حالتوں میں بھی افاقے کے بعد مریض ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ان حالتوں میں بھی ان کے ذہن کے کسی گوشے میں (جیسا وہ خود کہتے ہیں) ایک نارمل انسان پوشیدہ رہتا ہے جو بیماری کے ہنگامے کو قریب سے گزرتے ہوئے ایک بے تعلق تماشائی کی طرح دیکھتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ عام طور پر فرض کیا جا سکتا ہے لیکن نفسیاتی اختلال کی دوسری صورتوں کے بارے میں بھی جن میں دورے کی صورت اتنی ہنگامہ خیز نہیں ہوتی ہیں اس بات کی شہادت دے سکتا ہوں۔ مجھے فرس پیرانویا اختلالِ وہمی کے ایک مریض کی مثال یاد آتی ہے جس میں رشک کے ہر حملے کے بعد تحلیل کرنے والے کو ایک خواب کے ذریعے سے مرض کے اصل سبب کا ایک تصور ملتا تھا جس میں فریب خیال Delusion کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح ایک دلچسپ تضاد روشنی میں آتا تھا۔ کیونکہ جہاں ہم اعصابی مریضوں کے خوابوں میں ایسے رشک کے جذبات کا انکشاف کرنے کے عادی ہیں جو ان کی بیداری کی زندگی کے لیے بالکل اجنبی ہوتے ہیں، اس نفسیاتی اختلال کے مریض کے معاملے میں جو فریب خیال اس کی روز روشن کی زندگی پر مسلط تھا اس کی اصلاح ایک خواب کے ذریعے ہوتی تھی۔ ہم غالباً اس بات کو ایک عام حقیقت کے طور پر قبول کر سکتے ہیں کہ ایسی صورتوں میں جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ ذہن کا ٹکڑوں میں بٹ جانا (SPLIT) ہے۔ اس طرح ایک ذہنی رویے کی جگہ دو ذہنی رویے بن جاتے ہیں۔ ایک جو نارمل ہے اور حقیقت کا لحاظ کر سکتا ہے اور دوسرا جو جبلتوں کے زیر اثر اس کو حقیقت سے دور کر دیتا ہے۔ دونوں رویے ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو موجود رہتے ہیں۔ نتیجہ ان کی اضافی قوت پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر موخر الذکر رویہ زیادہ قوی ہو جائے تو نفسیاتی اختلال کی ضروری شرط موجود ہوتی ہے۔ اگر یہ تعلق منقلب ہو جاتا ہے تو اختلال وہمی Delusional-Disorder کی بظاہر اصلاح ہو جاتی ہے حقیقتاً یہ صرف لاشعور میں پسپائی اختیار کر لیتا ہے۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے پر ہم واقعتاً ان متعدد مشاہدات سے مجبور ہوتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ واہمہ اپنے نمایاں اظہار سے بہت عرصہ پہلے

سے موجود ہوتا ہے۔

وہ نظریہ جو یہ اصول موضوعہ (POSTULATE) پیش کرتا ہے کہ نفسیاتی اختلال کی تمام صورتوں میں انا میں ایک انتشار (SPLIT IN THE EGO) ہوتا ہے اتنی توجہ کا مستحق نہ ہوتا اگر یہ حقیقت نہ ہوتی کہ اس کا اطلاق اعصابی اختلال سے زیادہ مشابہ دوسری صورتوں پر اور خود اعصابی اختلال پر بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے سب سے پہلے فیٹش پرستی (FETISHISM) کی مثالوں سے اس کا یقین آیا۔ یہ جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے ابنارمل حالت جسے کج روی (PERVERSION) کی ایک صورت قرار دیا جا سکتا ہے اس بات پر منحصر ہے کہ مریض جو عموماً مرد ہوتا ہے اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا کہ عورتوں کے پاس ذکر نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو اس کے لیے حد درجے ناخوشگوار ہوتی ہے کیونکہ اس سے اسے اپنے ذکر کے قطع ہو جانے کے امکان کی شہادت ملتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے حسی ادراکات کو رد کر دیتا ہے جن سے اس پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کے اعضائے تناسل ذکر سے محروم ہیں اور وہ اس کے مخالف عقیدے پر سختی سے قائم رہتا ہے۔ لیکن یہ مسترد کردہ ادراک بالکل بے اثر نہیں رہتا کیونکہ تمام باتوں کے باوجود مریض میں یہ دعوا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی کہ اس نے حقیقتاً ایک عضوِ تناسل دیکھا ہے۔ وہ اس کی بجائے اور چیز کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے مثلاً جسم کا کوئی حصہ یا کوئی اور چیز اور اس کے ساتھ وہ ذکر کے اعمال منسوب کر دیتا ہے جس کے بغیر وہ رہ نہیں سکتا۔ یہ عموماً کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جسے اس نے زنانہ اعضائے تناسل کو دیکھنے کے وقت واقعتاً دیکھا تھا یا یہ کوئی چیز ہوتی ہے جو مناسب طور پر ذکر کے علامتی بدل کا کام دے سکتی ہے۔ اس عمل کو جو فیٹش کی تشکیل کے ساتھ رونما ہوتا ہے انا کے انتشار کے طور پر بیان کرنا درست نہ ہوگا۔ یہ انتقال جذبہ (DISPLACEMENT) کی مدد سے عمل میں آنے والی ایک ایسی مفاہمت ہوتی ہے جس سے ہم اپنے خوابوں میں آشنا ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے مشاہدات ہمیں کچھ اور بھی بتاتے ہیں۔ فیٹش کی تخلیق اس ارادے سے کی گئی تھی کہ قطع ذکر کے امکان کی شہادت کو ختم کر دیا جائے تاکہ قطع ذکر کے خوف سے نجات مل سکے۔ اگر عورتیں بھی دوسرے جانداروں کی طرح ذکر کی مالک ہیں تو اپنے ذکر کی ملکیت قائم رکھنے کے لیے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اب ہم ایسے فیٹش پرستوں

(FETISHISTS) سے دوچار ہوتے ہیں جن کے اندر قطع ذکر کا ویسا ہی خوف ہوتا ہے جیسا غیر فیٹش پرستوں میں اور اس کے بارے میں انکار دعمل بھی وہی ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا طرز عمل بیک وقت دو متضاد مفروضات ماقبل کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک طرف تو وہ اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں کہ انہیں یہ ادراک حاصل ہوا ہے کہ نسوانی اعضائے تناسل ذکر سے محروم ہیں۔ اور دوسری طرف وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ عورتوں کے پاس ذکر نہیں ہوتا اور وہ اس سے صحیح نتائج اخذ کر لیتے ہیں۔ یہ دونوں رویے ان کی زندگی بھر ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئے بغیر پہلو بہ پہلو برقرار رہتے ہیں۔ یہاں ہمیں وہ چیز ملتی ہے جسے ہم بجا طور پر انا میں انتشار (SPLIT IN THE EGO) سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ چیز ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ فیٹش پرستی (FETISHISM) عموماً جزوی طور پر ہی نشو و نما پاتی ہے۔ یہ مانع طور پر معروض کے انتخاب کا تعین نہیں کرتی لیکن نارمل جنسی طرز عمل کی کم و بیش گنجائش برقرار رہنے دیتی ہے۔ کبھی یہ ایک معتدل صورت اختیار کر کے پسپا ہو جاتی ہے یا محض ایک اشارے تک محدود رہ جاتی ہے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ فیٹش پرست کبھی اپنی انا کو خارجی دنیا کی حقیقت سے مکمل طور پر الگ کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

یہ خیال کرنا نہیں چاہیے کہ فیٹش پرستی انا میں انتشار کے اظہار کی ایک استثنائی صورت ہے۔ یہ محض ایسا موضوع ہے جو مطالعے کے لیے خاص طور پر سازگار ہے۔ اب ہمیں پھر اپنے اس دعوے کی طرف لوٹنا چاہیے کہ بچگانہ انا خارجی دنیا سے مغلوبیت کے زیر اثر ناپسندیدہ جبلی مطالبوں سے احتباسات Repressions کی مدد سے چھٹکارا پا لیتی ہے۔ ہم اس کے ساتھ ایک اور دعوے کا اضافہ کر سکتے ہیں کہ انا زندگی کے اسی دور میں اکثر خود کو اس حالت میں پاتی ہے کہ اسے خارجی دنیا کے کسی مطالبے کے خلاف اپنا تحفظ کرنا پڑتا ہے جن سے وہ تکلیف محسوس کرتی ہے اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ وہ ان ادراکات کو مسترد کر دیتی ہے جو حقیقت کے ان مطالبات کو اس کے علم میں لاتے ہیں۔ اس طرح کا انکار اکثر واقع ہوتا ہے اور صرف فیٹش پرستوں کی طرف سے نہیں ہوتا۔ ہمیں جب کبھی ان کے مطالعے کا موقع ملتا ہے تو یہ ادھورے اقدامات ثابت ہوتے ہیں یعنی یہ حقیقت سے اعراض یا فرار کی ادھوری کوششیں ہوتی ہیں۔ رد کرنے کا تکملہ ہمیشہ قبول کرنے کے عمل سے ہوتا ہے۔

دو متضاد اور ایک دوسرے سے آزاد رویے ہمیشہ ابھرتے رہتے ہیں اور یوں انا کے انتشار کی حقیقت وجود میں آتی ہے۔ نتیجہ یہاں بھی اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ ان دونوں رویوں میں سے کونسا زیادہ شدت کا حامل ہے۔

انا کے اس انتشار کے بارے میں جو حقائق ہم نے ابھی بیان کئے ہیں نہ اتنے نئے ہیں اور نہ اس قدر عجیب جتنے پہلی نظر میں معلوم ہوتے ہیں۔ یہ حقیقتاً اعصابی اختلال کی ایک ہمہ گیر خصوصیت ہے کہ مریض کی زندگی میں جہاں تک کسی خاص طرز عمل کا تعلق ہے دو مختلف رویئے موجود ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے متضاد اور آزاد ہوتے ہیں تاہم اس صورت میں ایک انا سے متعلق ہوتا ہے اور اس کا مخالف رجحان جو احتباس کا شکار ہوتا ہے اڈ سے متعلق ہوتا ہے۔ ان دونوں کا فرق اصلاً مکانیت ٹوپوگرافی (TOPOGRAPHY) یا ساخت پر مبنی ہوتا ہے اور کسی خاص صورت میں یہ فیصلہ کرنا ہمیشہ آسان نہیں ہوتا کہ ہم کس خاص صورت حال سے دوچار ہیں لیکن ان دونوں میں ایک اہم بات مشترک ہوتی ہے وہ بات یہ ہے کہ ان خطرات سے بچنے کے لیے انا کیسی ہی دفاعی کوشش کر رہی ہو، خواہ وہ خارجی دنیا کے کسی حصے کو رد کر رہی ہو یا اندرونی دنیا کے کسی جبلّی تقاضے کو رد کرنے کی کوشش کر رہی ہو، اس کی کامیابی کبھی مکمل اور غیر مشروط نہیں ہوتی۔ ان کوششوں کے نتیجے کے طور پر ہمیشہ دو مخالف رویے وجود میں آتے ہیں جن میں سے فاتح قوی رویہ ہی نہیں۔ شکست خوردہ رویے بھی نفسیاتی پیچیدگیاں پیدا کرتے ہیں۔ آخر میں صرف اس بات پر توجہ دلانا ضروری ہے کہ ان اعمال کا کتنا مختصر سا حصہ ہمارے شعوری ادراکات کے ذریعے ہمارے علم میں آتا ہے۔

باب 9

داخلی دُنیا

ہمارے پاس بیک وقت واقع ہونے پیچیدہ اعمال کے ایک مجموعے (SET) کے بارے میں کسی شخص تک معلومات منتقل کرنے کا اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ یکے بعد دیگرے ان کی تفصیل بیان کریں۔ اس طرح یہ ہوتا ہے کہ ہمارے تمام بیانات میں اولین طور پر یہ غلطی ہوتی ہے کہ ان میں یک طرفہ تسہیل (SIMPLIFICATION) کا رجحان پایا جاتا ہے اور ان کی تصحیح کے لیے اس وقت تک انتظار کرنا پڑتا ہے جب تک ان کی تکمیل اور نئے سرے سے تشکیل نہ ہو جائے۔

ایک ایسی انا کی تصویر جو اڈ اور خارجی دنیا کے درمیان واسطے کا کام انجام دیتی ہے، جو اڈ کے جبلی مطالبوں کو اپنے قبضے میں لے لیتی ہے تاکہ ان کی تسکین کرے اور جو خارجی دنیا کے معروضات کا ادراک کرتی ہے اور ان کو یادوں کی حیثیت سے کام میں لاتی ہے، جو اپنے تحفظ ذات پر توجہ مرکوز رکھتی ہے اور دونوں سمتوں سے حد سے متجاوز مطالبات کے خلاف مدافعت پر آمادہ رہتی ہے جو اپنے تمام فیصلوں میں ایک ترمیم شدہ اصول لذت کی تابع ہے، درحقیقت یہ تصویر بچپن کے پہلے دَور کے اختتام تک یعنی تقریباً پانچ سال کی عمر تک انا پر منطبق ہوتی ہے۔ اسس وقت تک ایک اہم تبدیلی رونما ہو چکی ہوتی ہے۔ اس وقت تک خارجی دنیا کا ایک حصہ کم از کم جزوی طور پر معروض کی حیثیت سے ترک ہو جاتا ہے اور تمثّل (IDENTIFICA-TION) کے ذریعے انا میں شامل کر لیا جاتا ہے بالفاظ دیگر داخلی دنیا کا ایک جزو بن جاتا ہے۔ یہ نیا ذہنی عامل ان اعمال کو جاری رکھتا ہے جو اب تک خارجی دنیا سے مطابقت رکھتے ہیں۔ یہ بعینہٖ اسی طرح انا کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کو حکم دیتا ہے اس کی اصلاح کرتا ہے، اسے سزاؤں سے ڈراتا ہے جس طرح اس کے والدین کرتے تھے جن کی اب وہ نمائندگی کرتا ہے۔ اس عامل کو ہم فوق الانا کہتے ہیں اور اس کے فیصلہ کرنے کے عمل میں ہم اس سے اپنے ضمیر

(CONSCIENCE) کی حیثیت سے واقف ہیں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ فوق الانا اکثر ایسی سخت گیری اختیار کر لیتا ہے جس کی کوئی مثال حقیقی والدین نے نہیں پیش کی تھی علاوہ بریں یہ انا کو صرف اس کے اعمال ہی پر سرزنش نہیں کرتا بلکہ اس کے خیالات اور عمل میں نہ آنے والے ارادوں کی بنا پر بھی گرفت کرتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اسے ان کا علم ہو۔ ہمیں یاد آتا ہے کہ ایڈی پس کی روایت کا ہیرو بھی اپنے اعمال کی بنا پر احساس جرم سے دوچار ہوا تھا اور اس نے اپنے آپ کو سزا دی تھی اگرچہ غیبی آواز کے جبر کی بنا پر اسے ہمارے فیصلے کی رُو سے اور خود اپنی نظر میں بے گناہ ہونا چاہیے تھا۔ فوق الانا درحقیقت ایڈی پس گرہ کی وارث ہے اور اسی وقت ابھرتی ہے جب ایڈی پس گرہ ٹھکانے لگ چکی ہو۔ اسی وجہ سے اس کی (سخت گیری) کسی حقیقی نمونے کی باِمثال تابع نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس قوت سے مطابقت رکھتی ہے جو ایڈی پس گرہ کی ترغیب کا مقابلہ کرنے میں صرف ہوتی ہے۔ اس صورت حال کا کچھ شائبہ درحقیقت اس دعوے کی تہ میں کار فرما ہے جو فلسفیوں اور اہل ایمان نے پیش کیا ہے یعنی یہ دعوا کہ اخلاقی احساس انسانوں میں تعلیم کے ذریعے داخل نہیں کیا جاتا یا سماجی زندگی کے دوران حاصل نہیں ہوتا بلکہ ان کے اندر کسی بالاتر ذریعے سے قائم کر دیا جاتا ہے۔

جب تک انا فوق الانا کے ساتھ مکمل آہنگی کے ساتھ کام کرتی رہتی ہے اس وقت تک ان کے مظاہر میں امتیاز کرنا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن ان کے درمیان کشیدگی اور مغائرت بہت واضح طور پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ ضمیر کی ملامت سے حاصل ہونے والی اذیت بچے کے اس خوف سے کلی مطابقت رکھتی ہے کہ کہیں وہ والدین کی محبت سے محروم نہ ہو جائے۔ یہ ایسا خوف ہے جو اخلاقی عامل نے اس کے اندر دوبارہ پیدا کر دیا ہے۔ اس کے مقابلے میں انا ایسا کوئی کام کرنے کی ترغیب کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر چکی ہے جو فوق الانا کی نظر میں قابل اعتراض ہوتا۔ اس لیے اس کی عزت نفس اور احساس تفاخر میں اضافہ ہوتا ہے جیسے اس نے کوئی قیمتی چیز حاصل کر لی ہو۔ اس طرح فوق الانا انا کے لیے خارجی دنیا کا رول ادا کرتا رہتا ہے اگرچہ اب یہ داخلی دنیا کا حصہ بن چکا ہوتا ہے۔ کسی شخص کی آئندہ زندگی میں یہ اس کے بچپن کے اثرات کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ والدین کی اس توجہ، تعلیم اور بچپن میں ان پر انحصار کی نمائندگی کرتا ہے جو انسانوں میں مشترکہ عائلی زندگی کی بدولت بہت طویل ہوتا ہے۔ اور ان تمام چیزوں میں جو چیز کارفرما ہوتی ہے وہ اس کے والدین کی ذاتی خصوصیات نہیں

ہوتیں۔ اسس میں تمام وہ چیزیں شامل ہوتی ہیں جنہوں نے والدین پر بھی فیصلہ کن اثر ڈالا ہو۔ یعنی اس معاشرتی طبقے کا ذوق اور اس کے معیار جس کے درمیان وہ زندگی گزارتے ہیں اور اس نسل کی خصوصیات اور روایات جس سے ان کا تعلق ہے۔ وہ لوگ جو تفہیم اور واضح امتیازات کو پسند کرتے ہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ خارجی دنیا جس میں ایک فرد اپنے والدین سے جدا ہو اپنے آپ کو غیر محفوظ پاتا ہے "حال" کی قوت کی نمائندگی کرتی ہے اور اس کی اڈ اپنے موروثی رجحانات کے ساتھ اس کے نامیاتی ماضی (ORGANIC PAST) کی نمائندگی کرتا ہے اور اس کا فوق الانا جوان دونوں کو باہم ملانے کے لیے بعد میں آتا ہے وہ ہر چیز سے بڑھ کر اسس کے تمدنی ماضی کی نمائندگی کرتا ہے۔ جس کے تجربۂ مابعد (AFTER EXPERIENCE) سے بچے کو اپنی ابتدائی زندگی کے چند سالوں میں گزرنا پڑتا ہے۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ ایسی تعمیم مکمل طور پر صحیح ہو۔ بعض تمدنی مستحصلات (ACQUISITIONS) نے اڈ میں بھی کچھ آثار چھوڑے ہیں۔ جو کچھ فوق الانا کی طرف سے عطا ہوتا ہے اس کا بڑا حصہ اڈ میں بھی ایک صدائے بازگشت پیدا کرتا ہے۔ بچے کے بہت سے نئے تجربے زیادہ گہرے ہوں گے کیونکہ ان میں عہد عتیق کے نوعی تجربات کی تکرار ہوگی۔

"جو کچھ تو نے اپنے آبا سے ورثے میں پایا ہے اسے اپنا بنانے کے لیے خود حاصل کر"

(گوئٹے، فاؤسٹ، حصہ اوّل)

اس طرح فوق الانا اڈ اور خارجی دنیا کے مابین ایک وسطی مقام حاصل کر لیتا ہے۔ یہ اپنے اندر ماضی اور حال کے اثرات کو متحد کر لیتا ہے۔ ہمارے سامنے فوق الانا کے ظہور میں اس طریقے کی ایک مثال آتی ہے جس طرح حال ماضی میں بدل جاتا ہے۔

بیورو کی مطبوعات

ابنارمل نفسیات	ایلفرایم روزنل۔ ذکیہ مشہدی
ابتدائی نفسیات	سید محمد محسن / محمد رضوان احمد خان
اردو زبان کی تدریس	معین الدین
اصول تعلیم	خواجہ غلام السیدین
اصول تعلیم اور عمل تعلیم	ڈی۔ ایس۔ گورڈن / خلیل الرحمن / سیفی پریمی
تاریخ فلسفہ اسلام (تیسرا ایڈیشن)	ٹ۔ ج۔ دوبوئر / سید عابد حسین
تاریخ ہندی فلسفہ	ایس۔ این داس گپتا / رائے شو موہن لعل ماتھر
تدریس جغرافیہ	محمد ضیاء الدین علوی
تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر	سلامت اللہ
تعلیم سماج اور کلچر	اے۔ کے۔ سی۔ اٹاوے / اختر انصاری
تعلیم تشکیل نو کے مسائل (دوسرا ایڈیشن)	خواجہ غلام السیدین / ایم۔ ابوبکر
تعلیم میں نفسیات کی اہمیت	ہربرٹ سورینسن / سلامت اللہ
تعلیم ہندوستان کے مسلم عہد حکومت میں (دوسرا ایڈیشن)	ایس۔ ایم۔ جعفر / سعید انصاری
تعلیمی رہنمائی اور صلاح کاری	عبدالمغنی مدہوش
تعلیم کی نفسیاتی اساس	عبداللہ ولی بخش قادری
تعلیم کا عمل	جیروم۔ ایس۔ برونر / معین الدین
جدید ہندوستان میں ذات پات	ایم۔ این سرینواس / شہباز حسین
جدید ابتدائی منطق	ایل۔ موسن اسٹیبنگ / سلطان علی شیدا
سماج اور تعلیم	محمد عبدالقادر عمادی
شرح بھگوت گیتا (دوسرا ایڈیشن)	مترجم: حسن الدین احمد
فلسفہ کے بنیادی مسائل	اے۔ سی۔ ایونگ / میر ولی الدین

ملنے کا پتہ

ترقی اردو بیورو، محکمہ تعلیم (حکومت ہند)

ویسٹ بلاک آر کے پورم نئی دہلی - 66